وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ
معین البخاری
علی افتتاح البخاری
افادات
حضرت مولانا مفتی محمد کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ العالی
(استاذ الحدیث والافتاء دار العلوم اشرفیہ، راندیر)
مرتب
حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب ناڈا، مدظلہ العالی
(استاذ مدرسہ عمر فاروق، سورت گجرات)

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

معین البخاری
علی افتتاح البخاری

افادات

حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ العالی
(استاذ الحدیث والافتاء دار العلوم اشرفیہ، راندیر)

{مرتب}

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب ناڈا، مدظلہ العالی
(استاذ: مدرسہ عمر فاروق، سورت گجرات)

ناشر

مکتبۂ اقصیٰ، سورت، گجرات (انڈیا)

تفصیلات کتاب ھٰذا

نام کتاب............معین البخاری علی افتتاح البخاری۔

افادات............حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ العالی

تعداد............۱۰۰۰ (ایک ہزار)

کمپوزنگ............اقصیٰ آرٹ (عبدالقیوم اورنگ آبادی۔7383919819)

مرتب............حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب ناڈامد ظلہ العالی

ناشر............مکتبۂ اقصیٰ۔سورت گجرات

طابع............حدایت آرٹ، سگرام پورا، (9974034310)

☆ ملنے کے پتے ☆

مکتبۂ اقصیٰ۔سورت گجرات 09825485849

07383919819

مکتبہ عزیزیہ آملی پورا اسٹریٹ، راندیر، سورت 09824757991

مولانا بک ڈپو، رانی تالاب مین روڈ 09228760716

مولوی عبدالستار گودھروی ظہور پورہ، جامع مسجد کے سامنے، گودھرا 09714168841

مفتی عبدالقیوم اورنگ آبادی۔بابر کالونی کٹ کٹ گیٹ اورنگ آباد

M H 9860172337/ GJ.07383919819

صفحہ	{تفصیلی فہرست}	نمبر

نوٹ: تمام تقریظات ''جواہر علیمہ معرف بہ ضرب کلیم'' کی ہیں

تقریظ وکلمات تبرک

از حضرت الاستاذ مولانا مفتی یعقوب اشرف صاحب دامت برکاتہم العالیہ
(خلیفہ مجاز حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق ہردوئی ؒ و مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر وشیخ الحدیث مدرسہ صوفی باغ، سورت)

باسمہ تعالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

عزیزم مولوی مفتی محمد کلیم لوہاروی ۱۹۸۰ء میں بچپن کی عمر میں دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھنے کے لئے آئے، خوب محنت سے پڑھا اور ماشاء اللہ ہر درجہ میں اچھے نمبرات سے کامیاب ہو کر فارغ ہوئے۔ پھر دارالعلوم ڈابھیل سے افتاء کر کے یہاں دارالعلوم اشرفیہ میں پہلے ابتدائی اور متوسط کتابیں بڑی محنت سے پڑھائیں۔ اب علیا کی اور احادیث کی کتابیں بھی ماشاء اللہ بحسن وخوبی پڑھا رہے ہیں۔ اور جب سے پڑھانے بیٹھے ہیں فتاوی نویسی میں بھی مشغول ہیں مختلف ابواب کے اردو، گجراتی میں بڑے چھوٹے کافی فتاویٰ لکھ چکے ہیں اور ابھی بھی لکھ رہے ہیں۔ طلبہ میں بھی ان کے لئے بڑی محبت اور چاہت ہے۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ قرب وجوار کی مساجد ومدارس میں اور دور دراز کے علاقوں میں بھی بسلسلۂ وعظ وارشاد اصلاح امت کے اہم کام میں لگے ہوئے ہیں۔

دراصل وعظ وارشاد کا یہ سلسلہ قدیم سے ہمارے بزرگوں سے چلا آرہا ہے ہمارے بزرگوں نے تو اس سے بڑے اہم اہم کام لئے ہیں۔ ہماری گجراتی میں جو مولوی وعظ نہ کہتا ہو اس کو کہتے ہیں کہ આ મોલ્વી ગુંગો છે (یہ مولوی گونگا ہے)

اور ان مواعظ کا سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے۔ اس دور میں اس طرح کے مواعظ کی اشاعت کا سلسلہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک شاندار کڑی عزیزم مولوی مفتی محمد کلیم

لوہاروی کے مواعظ ہیں جو "ضرب کلیم" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان مواعظ کو عزیزم کے لئے اور تمام قارئین وساری امت کے لئے نافع بنائے اور عزیزم اور انکی ترتیب میں مدد کرنے والوں کے لئے ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

فقط والسلام

خاکپائے بزرگاں

یعقوب اشرف راندیری

(خادم اشرفیہ راندیر، سورت۔۵)

۲رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

۵رجولائی ۲۰۱۱ء بروز منگل

تقریظ وکلمات دعائیہ

سیدی ومولائی، سندی ومرشدی، جامع الشریعت والطریقت، مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(خلیفہ مجاز حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ وصدر مفتی وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

علمائے حقانی وربانی ہر زمانہ میں مختلف طریقوں سے دین اور علم دین کی اشاعت وحفاظت کی خدمات انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ جن میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ کے ساتھ وعظ وتذکیر کا سلیقہ عطا کیا جاتا ہے لوگ انکی تقاریر ووعظ کو شوق ورغبت سے سنتے ہیں اور فائدہ بھی اٹھاتے ہیں، محب مکرم مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی حفظہ اللہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں آپ دار العلوم اشرفیہ میں کئی سال سے تدریسی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اطراف وجوانب میں اپنے مواعظ سے بھی سامعین کے قلوب کو گرمانے کا کام کر رہے ہیں۔ عوام بھی آپ سے محبت وچاہت کا تعلق رکھتی ہے۔ آپکی انہیں مواعظ کو جو آپ نے مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر تذکیر واصلاح کی غرض سے کئے ہیں آپکے بعض شاگرد جمع اور مرتب فرما کر اسکی اشاعت بھی کرنے جارہے ہیں تاکہ ان مواعظ کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان مواعظ کو قارئین کے حق میں مفید وموثر بنا کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کی توفیق وسعادت عطا فرمائے اور مولانا موصوف کے حق میں اسکو صدقۂ جاریہ بنائے، فقط۔

املاہ: احمد خانپوری (۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ)

تقریظ

مشفق ومحسن حضرت الاستاذ مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم العالیہ
(خلیفہ ومجاز حضرت شیخ زکریاؒ وشیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اب قیامت تک دوسرا کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، اسلئے اب حضور اقدس ﷺ کا کام العلماء ورثة الانبیاء کے تحت علماء ربانیین کے ذمہ ہے اور علماء یہ کام اپنی حیثیت کے مطابق کر رہے ہیں۔

دین کی نشر و اشاعت، تعلیم تبلیغ تحریر تصنیف اور تقاریر سے بھی ہو رہی ہے۔ جن سے اللہ تعالی یہ کام لینا چاہتا ہے ان کو اللہ تعالی خصوصی ملکہ بھی عطا فرماتا ہے۔ ہمارے مفتی کلیم صاحب بھی میرے خیال سے انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں کہ تدریسی اور تقریری دونوں میدان کو فتح کرتے جا رہے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نظر بد سے بچا کر کامل اخلاص کے ساتھ خوب ترقی کی سعادت نصیب فرمائے اور ان کے فیض سے لوگوں کو خوب مستفیض فرمائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین بعد

فقط والسلام
العبد اسماعیل کچھولوی غفرلہ
۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

محترمی ومکرم زید مجدکم

بعد سلام مسنون : مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ابتداء بخاری کی تقریر ہے، بہت اچھی اور جامع ہے مگر آپ نے پہلے ہی سے میری تحریر چھاپ رکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ تدریسی اور تقریری دونوں میدانوں میں شہسوار ہے اسلئے اب کچھ مزید لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا ہوں تعمیل ارشاد سے معذور ہوں۔

العبد اسماعیل کچھولوی غفرلہ

۲۰ جمادی اولی ۱۴۳۶ھ

تقریظ وکلمات دعائیہ

از شیخ زادہ محترم ومخدومی واستاذی

حضرت مولانا قاری رشید احمد اجمیری مدظلہ العالی

(شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر)

اللہ اللہ اللہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً، وبعد!

مشائخ وبزرگان دین کے مواعظ کا سلسلہ اصلاح امت کی ایک قوی کڑی ہے۔اس کی برکت سے نہ معلوم کتنے ہی لوگوں کی دل کی دنیا بدلی اور انہوں نے کتنوں کو راہِ راست کی روشنی سے راہ یاب کیا ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

اسی سلسلۃ الذہب کا ایک شاندار ورق حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب مدظلہ العالی کے بیانات کا یہ مجموعہ بھی ہے۔

مختلف عناوین پر نظر پڑی،اجمالاً دیکھنے سے ہی اس کے مفید تر ہونے کا یقین ہوگیا۔اللہ تعالیٰ اس کوشش کو بارآور فرمائے اور ہم سب کو استفادے کی سعادت عطاء فرمائے اور اس کدوکاوش کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے،آمین۔

از

احقر رشید احمد اجمیری

راندیر،اشرفیہ

اقتباسات

(۱) مولانا موصوف کہنہ مشق مؤلف اور بہترین مدرس ہیں انکی تقاریر ومواعظ آیات واحادیث سے مزین ہیں ہر بات کو آیات واحادیث کی روشنی میں پیش کرتے ہیں رد بدعت اور اصلاح معاشرہ پر بطور خاص توجہ دی گئی ہے۔

(حضرت مولانا عبدالحق اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

(۲) (اس کتاب میں) مختلف طرح کے عنوانات اور اس کے تحت مندرجہ مضامین سے دل متاثر ہوتا ہے۔ (بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب محدث دارالعلوم دیوبند)

(۳) ہمارے کرم فرما جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ کے مرتب کردہ مواعظ میں نے دیکھے۔ موضوعات اور عنوانات کے تنوع، گونا گوئی بوقلمونی اور انکے تحت مندرجات سے دل بیحد متاثر ہوا، استفادہ کیا انشاءاللہ یہ مجموعہ مواعظ "ضرب کلیم" خاصے کی خیر ہوگی،

(حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر القراء دارالعلوم دیوبند)

(۴) مولانا موصوف تدریسی خدمات کے ساتھ تقریر کے ذریعہ تبلیغ واشاعت کے اہم کام میں مصروف ہیں زیادہ سے زیادہ لوگ انکی تقاریر سے استفادہ کرسکیں اس کے لئے انکی تقاریر کا پیش نظر مجموعہ "ضرب کلیم" زیر طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آرہا ہے۔ ان تقاریر میں مولانا موصوف نے بڑے سلیقہ سے عوام الناس کو مخاطب کیا ہے اور ان کے سامنے دینی تعلیم کو پیش کیا ہے۔

(حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی فاؤنڈیشن نئی دہلی)

(۵) بحمد اللہ حضرت مولانا مفتی کلیم لوہاروی صاحب خلیفہ اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب کی تقاریر کا مجموعہ "ضرب کلیم" نظر سے گذرا، اپنی مصروفیات کی بناء پر تکمل طور پرنہ پڑھ

پایا۔ تاہم اسکے مضامین وعناوین سے اس کی اہمیت اجاگر ہورہی ہے۔

(حضرت مولانا محمد راشد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند)

(۶) حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تقاریر کا مجموعہ "ضرب کلیم" دامن وقت کی تنگی اور درپیش سفر کی بنا پر پورے مجموعہ کے مطالعہ سے مستفیض نہیں ہوسکا تاہم اس کے عناوین ومضامین سے واضح ہوتا ہے کہ احیاء سنت ورد بدعات کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ پر خوب زور دیا گیا ہے۔

(حضرت مولانا سید محمود صاحب ناظم عمومی جمیعۃ علماء ہند)

(۷) موصوف گجرات کے قدیم ترین اور معروف ادارہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے استاذ حدیث اور مفتی ہیں، درس وتدریس اور افتاء کی اہم ذمہ داری کے ساتھ آپ امت مسلمہ کو اپنے رب کی تعلیم پر عمل کرنے اور زندگی کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق گذارنے کی طرف اپنے موثر بیانوں کے ذریعہ متوجہ فرماتے رہتے ہیں، زبان سادہ اور عام فہم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لئے یہ بیانات مفید ثابت ہوتے ہیں، احباب اور اہل تعلق کے شدید تقاضوں کی وجہ سے اب ان تقریروں کو ٹیپ سے نقل کر کے "ضرب کلیم" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

(مفکر ملت قائد علماء حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم)

(۸) مفتی صاحب کے مواعظ جو "جواہر علمیہ" کے نام سے شائع ہوئے ہیں بہت پر مغز اور معلومات پر مبنی ہیں انکو پڑھنے سے معاشرہ پر اچھا اثر پڑیگا میری تمام حفاظ، ائمہ مساجد اور واعظین سے گذارش ہے کہ وعظ کی اس کتاب کو پہلی فرصت میں حاصل کریں یہ کتاب اپنے پڑھنے والوں کی اصلاح کی ضامن ہے نیز بہت سے لوگوں کو واعظ اور خطیب بناتی ہے امید ہے کہ اہل علم اور واعظین اسکی طرف متوجہ ہونگے۔

(حضرت مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری)

(۹) ''ضربِ کلیم'' جو حضرت مفتی کلیم صاحب لوہاروی دامت برکاتہم خلیفہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدھم کے خطابات کا مجموعہ ہے جس میں مفتی صاحب موصوف نے ماشاءاللہ ہر مضمون کو کما حقہ عام فہم زبان میں سمجھایا ہے

(حضرت مولانا سلمان صاحب گنگوہی)

(۱۰) حضرت اقدس حضرت مرشدی مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ اور حضرت حضرت مفتی صاحبؒ کے محبوب و معتمد اور محبوب العلماء حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ العالی کا فیض آپکے ذریعہ الحمدللہ جاری ہے

(حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب دامت برکاتہم مقیم بلیک برن یوکے۔ خادم خاص حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ)

(۱۱) محبی فی اللہ جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے ان بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ان دونوں پہلوؤں کو زندہ رکھا اور اس حوالہ سے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، مولانا کے مواعظ میں علمی رنگ اور جذبات کا آہنگ پایا جاتا ہے، امید ہے کہ دو جلدوں پر مشتمل مولانا کے ان خطبات کے مجموعہ سے امت کو نفع پہونچے گا اور مولانا کے لئے یہ بہترین زادِ آخرت ثابت ہوگا۔

(حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

پیش لفظ

الحمدلله الذی انزل علی عبده الکتب ولم یجعل له عوجاً والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی ارسل الی کافة الناس بشیرا ونذیرا وعلی اله واصحابه وازواجه واهل طاعته اجمعین الی یوم القیمة۔

دین اسلام مکمل دستور حیات ہے، اور تا قیامت باقی رہنے والا ہے اور تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کرنے والا ہے، دین کی دو اہم اساس و بنیاد "قرآن حکیم، واحادیث مبارکہ" ہیں، قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وانا له لحافظون" اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے فرمائی حضرات صحابہ کرام وتابعین عظام ومحدثین عظام نے پورے پوری امانت ودیانت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی لاکھوں احادیث امت تک پہنچائی، امام ابوزرعہؒ کو ساتھ لاکھ احادیث یاد تھیں، حضرت امام احمدؒ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں، امام ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث میں سے ۴۸۰۰ احادیث اپنی سنن ابی داؤد میں ذکر کی۔

پھر صحیح احادیث کے انتخاب میں امام بخاری نے غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ۶۰ لاکھ احادیث میں سے بشمول مکررات معلقات ومتابعات نو ہزار بیاسی اور بحذف مکررات دو ہزار سات سو اکسٹھ رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ تحت ادیم السماء الجامع الصحیح البخاری کہا جانے لگا" اور پوری دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں ایسی درسگاہیں ہیں جہاں بخاری شریف کا درس جاری ہے صوبہ گجرات ضلع کولہاپور "اودگاؤں" میں ایک معروف ادارہ "جامعہ خیر العلوم" تقریباً ۴۵ سال

سے قائم ہے، جس کے بانی عارف باللہ حضرت مولانا ابوالخیر عبدالصمد ایرائیؒ ہیں، آپ کے بعد ادارہ کی سینچائی حضرت کے جانشین حضرت مولانا اسداللہ ایرائیؒ فرمارہے تھے، یہاں تک کہ حضرت مولانا کے زندگی کے اخیری سال دورہ حدیث کا افتتاح ہوا، غالباً ۱۴۳۳ھ اوائل شوال میں سیدی ومولائی حضرت مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم کے ساتھ ادارہ ھذا میں حاضری ہوئی، رمضان المبارک ہی میں حضرت نے حکم فرمادیا تھا کہ افتتاح بخاری پر کچھ تمہیدی کلام کرنا ہے، حضرت والا ہی کی توجہات سے کچھ گذارشات عرض کی گئیں، تین ہزار کے قریب مجمع علماء ہی کا تھا ، بہت سے اہل علم نے پیش کردہ باتوں کو بہت سراہا اور اس کو کتابی شکل میں پیش کرنے کے لئے حکم فرمایا اس کی کتابت بھی ہوگئی اور ارادہ تھا کہ احقر کے مجموعۂ مواعظ ''جواہر علمیہ'' معروف بضرب کلیم کا جزء بنا دیا جائے ،لیکن حضرت مولانا عبدالرحیم ناڈاسورتی مدظلہ العالی نے اصرار فرمایا کہ اس کو مستقل شائع کیا جائے یہی نہیں بلکہ پوری تقریر کی تخریج وشخصیات کا تعارف بھی اور طباعت کی ذمہ داری بھی آپ نے لے لی۔

نیز محب مکرم مفتی عبدالقیوم صاحب آورنگ آبادی نے کتابت وتنقیح فرمائی ، اللہ تعالی دونوں کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالہ ھذا کو قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے ،لغزشوں کو معاف فرمائیں ۔آمین یارب العالمین

احقر: (مفتی) محمد کلیم لوہاروی (دامت برکاتہم)

خادم الحدیث والافتاء ۔دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات، الھند

۶۔ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ، یوم الخمیس

۲۶۔فروری ۲۰۱۵ء

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا ، من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ونبیا ومولانا محمداعبدہ ورسلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا، امابعد ـ فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ـ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من أنفسھم یتلوعلیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ـ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴) وقال تعالیٰ، لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ، ان علینا جمعہ وقرآنہ (سورۃ القیامۃ آیت ۱۶) وقال تعالیٰ والنجم اذا ھویٰ ماضل صاحبکم وماغویٰ ، وما ینطق عن الھویٰ ، ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورۃ النجم پارہ ۲۷)

وقال النبی ﷺ ترکت فیکم امرین، لن تضلوا ماتمسکتم بھما ، کتاب اللہ وسنۃ رسولہ[1]

محمد چشم براہ ثنا نیست	خدا در انتظار حمد ما نیست
خدا موج آفرین مصطفےٰ بس	محمد حمد حامد خدا بس

واجب الاحترام گرامی قدر حضرات مشائخ عظام ـ علماء کرام ، عزیز طلباء ، اور دور دراز سے تشریف لائے ہوئے مہمانان کرام ـ

---

[1] رواہ امام مالک فی المؤطا ـ مشکوۃ رقم ۱۸۶

ہدایت کی دو مضبوط چیزیں:

اللہ تبارک تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لئے سرور کائنات، فخر موجودات شفیع المذنبین ورحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا ذریعہ بنا کر بھیجا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے اوپر اپنا مقدس کلام اور اس مقدس کلام کی تشریحات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جلی اور وحی خفی نازل فرمائی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھام لو تو میرے بعد کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری سنت ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول کا نور:

چنانچہ مؤمن کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول اللہ ہے، کسی شخص کے دونوں ہاتھ دراہم ودنانیر اور روپے پیسے سے بھرے ہوں اس کو کسی کے سامنے بھیک مانگنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اگر کوئی دینا بھی چاہے تو وہ کہدیگا کہ میرے پاس جگہ ہی کہاں ہے کہ میں لوں، ایسے ہی ایک مؤمن کی زندگی میں کتاب اللہ کی دولت جس کے پاس آگئی ہے، اب اس کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی، کسی کا طریقہ اپنانے کی اور کسی کے سامنے گردن جھکانے کی ضرورت ہی نہیں۔

دین کی مثال چکی سی:

اسی وجہ سے ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو چکی سے

تشبیہ دی ہے کہ "ان رحی الاسلام دائرۃ فدور وامع الکتاب حیث دار"[1] کہ دین کی چکی چل پڑی ہے، جسطرف وہ چلی ہے اسی ڈگر پر تم بھی چل پڑو۔ تو دین کی مثال چکی جیسی ہے، ہمارے یہاں پرانے زمانے میں عورتیں گھروں میں اپنے ہاتھوں سے چکی چلاتی تھی، اور اناج اور دانوں کو پیستی تھی، آج بھی کچھ گھروں میں وہ پرانی چکی موجود ہے کہ جس میں پتھر کے دو پاٹ ہوتے تھے اور بیچ میں ایک لکڑی ہوتی تھی۔

چکی سے تشبیہ دینے کی متعدد وجوہات:

چکی سے تشبیہ دینے میں متعدد وجوہات ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ: جب چکی کے اندر دانہ ڈالا جاتا ہے، تو اسکے دو پاٹ اس کو پیسکر آٹا بنا دیتے ہیں، تو آٹا چکی کی چاروں طرف گرتا ہے، کسی ایک پہلو میں آٹا نہیں گرتا، بلکہ چاروں طرف گرتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین قرآن وحدیث زندگی کے ہر شعبے اور ہر قدم کو محیط ہے، کوئی بھی شعبہ ایسا خالی نہیں ہے کہ جس میں قرآن وحدیث کی روشنی نے ہمیں منور نہ کیا ہو، جیسے چکی کا آٹا چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایسے ہی ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تعلیمات بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہ جاتا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات موجود نہ ہو۔

---

[1] عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: خذوا العطاء ما دام عطاء فاذا صار رشوۃ علی الدین فلا تأخذوہ ولستم بتارکیہ یمنعکم الفقر والحاجۃ، ألا! ان رحی الاسلام دائرۃ فدوروا مع الکتاب حیث دار، الخ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر ص ۲۰/۹۰ رقم ۱۷۲۔ وکذا فی مجمع الزوائد ص ۵/۲۲۸ (الیواقیت الغالیہ ج ۱ ص ۲۸۴)

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں جب چکی میں دانہ پیستی ہے، اور چکی چلاتی ہے تو تھوڑی دیر میں آٹا گرتا ہے، پھر جب دانے پیس لیتی ہے تو پاٹ کو اٹھاتی ہے تو چکی کے درمیان جو لکڑی اور کیل ہوتی ہیں، اسکے اردگرد کچھ دانے جمع ہو جاتے ہیں، دو پاٹ کے بیچ میں آنے کے باوجود بھی پسنے سے محفوظ اور سالم رہ جاتے ہیں، حالانکہ بڑے بڑے وزنی پتھر ہیں لیکن ان ان دونوں پتھروں نے ان دانوں کو نہیں پیسا، اس کی کیا وجہ ہے ؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ھیکہ یہ دانے جو محفوظ اور سالم رہ گئے ہیں حقیقت میں وہ بیچ کی مضبوط کیل سے جڑ جاتے ہیں، اسی بنا پر دو وزنی پتھروں کے بیچ میں آنے سے ان کی حفاظت ہوگئی، اللہ کے رسول ﷺ کا لایا ہوا دین یہ قرآن وحدیث بھی اس مضبوط کیل کی طرح ہے، اس لئے حدیث میں دین کو چکی کے ساتھ تشبیہ دی گئی، جو لوگ اس دین کی مضبوط اور بھاری بھر کم کیل (قرآن وحدیث) سے اپنے آپ کو جوڑ لیتے ہیں، اپنا تعلق پیدا کر لیتے ہیں، اسکے مطابق زندگی بنا لیتے ہیں، تو دنیا وآخرت میں عذابوں کے بڑے بڑے پاٹ بھی ان کو پیس نہیں سکتے اللہ تعالیٰ عذاب سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تیسری وجہ:

تیسری وجہ تشبیہ یہ بھی ہو سکتی ھیکہ جیسے ایک عورت چکی پیستی ہے تو دیکھنے والا محسوس کرتا

حیکہ یہ عورت اپنے آپ کو اس چکی کے تابع بنائے ہوئے ہیں، وہ سیدھی جانب چکی کو اس انداز سے گھماتی ہے کہ گویا اس نے اپنے آپ کو اس چکی کے تابع کر دیا ہے اور چکی متبوع ہے، بہر حال بتلانا یہ ہے کہ جیسے چکی پینے والا چاہے مرد ہو یا عورت اپنے آپ کو چکی کے تابع بنا دیتا ہے تب جا کر اسے آٹا ملتا ہے ایسے ہی مؤمن کی کامیابی یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن وحدیث کے تابع بنا دے، تب جا کر وہ صحیح مسلمان ہوگا۔

اسی لئے شاعر نے کہا۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن　　　　نیست ممکن جز بقرآن زیستن

کہ اگر تو دنیا میں سچا اور پکا مومن بنکر زندگی گذارنا چاہتا ہے تو قرآن پاک کے بغیر مومنانہ زندگی نہیں گذار سکتا ہے، پتہ چلا کہ اسلامی زندگی موقوف ہے قرآن وحدیث کی تعلیمات پر۔

چوتھی وجہ :

وجہ تشبیہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ چکی کے اندر دانے ڈالے جاتے ہیں تو آٹا ہمارے سامنے آتا ہے، تب جا کر ہم اس کو کھاتے ہیں، اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خالی دانے انسان کھاتا نہیں ہے، نہ ہی وہ کھانے کے قابل ہوتے ہیں، اگر کھا بھی لے تو وہ اسکے جسم کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ثابت ہوتے ہیں، معلوم ہوا اس کو پیسنا ضروری ہے تو گویا دین کو چکی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ حیکہ دین کی دو بنیادیں ہیں، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ، لیکن محض قرآن پاک کو دیکھ کر اور محض قرآن پاک کی آیات کا مطالعہ کر کے اور ترجمہ

دیکھکر کوئی شخص اپنی زندگی میں دین اور شریعت کو لانا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ جیسے دانے کو پیسنے کے بعد ہی اس سے نفع اندوز ہوا جاسکتا ہے، ایسے ہی قرآن پاک کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی احادیث مبارکہ کی چکی میں پیسنے کے بعد ہی قرآن سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اسکے بغیر عمل قابل قبول نہیں ہوسکتا، جن لوگوں نے فقط قرآن کو حجت مانا اور حدیث کا انکار کیا اور حدیث کو چھوڑ کر فقط قرآن پر عمل کرنے بیٹھے وہ بھی گمراہ ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ دین کی دو بنیادیں ہیں قرآن پاک اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ، جیسے قرآن ہدایت کا ذریعہ ہے ایسے ہی احادیث مبارکہ بھی ہدایت کا ذریعہ اور ہدایت کے لئے ضروری ہے اس لئے قرآن پاک میں مختلف آیات میں اس طرف اشارہ ہے، بلکہ بعض جگہوں میں تو صراحت ہے کہ جیسے کتاب اللہ ہمارے لئے حجت اور واجب العمل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ بھی ہمارے لئے حجت اور واجب العمل ہے اسکے بغیر دین مکمل نہیں ہوسکتا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (سورۃ ال عمران پ ۴) اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان کیا کہ انہیں میں سے ایک رسول انکے پاس بھیجا، جسکی زندگی کے تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: کلام اللہ کی تلاوت کرنا۔

دوسرا مقصد: اخلاق رذیلہ اور بری عادتوں سے ان کو پاک اور صاف کرنا۔

---

[1] وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ پارہ ۲۸ سورۃ الحشر

تیسرا مقصد: کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دینا، قرآن نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے یہ تین مقاصد بتلائے۔

پہلا مقصد:

پہلا تلاوت کلام اللہ، آپ ﷺ پر جو بھی قرآن اترتا، کوئی آیت، آپ ﷺ صحابہ کے سامنے پڑھکر اسے سناتے اسی طرح معاشرہ میں جو بداخلاقیاں تھی، ان کا ازالہ کرنا، زمانہ جاہلیت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں، تو اندازہ ہوتا ہیکہ پورہ جزیرۂ عرب درندگی کا شکار تھا، کوئی انسان کسی کا خیر خواہ نہیں تھا، جان کا دشمن، مال کا دشمن، عزت کا دشمن، رسول ﷺ کی بعثت کے بعد پوری انسانیت کو انسانیت کا سبق ملا، خصوصا جزیرۂ العرب میں انسانیت جو مردہ ہو چکی تھی وہ زندہ ہوگئی۔

دین کی مثال بارش مانند ہے:

پھر رسول ﷺ نے ایک دوسری روایت میں اپنے لائے ہوئے دین کی مثال بارش کے پانی سے دی ہے کہ میرا لایا ہوا دین "کمثل الغیث" بارش کے مانند ہے جیسے بارش کے پانی سے خشک اور مردہ زمینیں تروتازہ ہوجاتی ہے، سرسبزوشاداب ہوجاتی ہے، اسی طرح آپکے لائے ہوئے دین سے مردہ دل اور مردہ روحیں زندہ ہوجاتی ہے، اور جیسے پانی کے بغیر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا، ایسے ہی زندگی میں رسول ﷺ کے دین پر عمل کئے بغیر کسی کا دل اور روح زندہ نہیں رہ سکتے، اس لئے بارش سے تشبیہ دی کہ۔ "مثل مابعثنی اللہ من

العلم والھدی کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا[1] بارش کی یہ خوبی ہیکہ وہ مردگی کوختم

کردیتی ہے، اورزمین کوتازہ اورسبزہ زار بنادیتی ہے، ایسے ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کالایا ہوا دین

دل کی ویران دنیا کو آباد اور شاداب کردیتا ہے۔

؎ خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا۔

وہ حضرات صحابہ جو اسلام کے آنے سے پہلے (زمانہ جاہلت) میں بالکل ایک

دوسرے کے دشمن تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی وجہ سے آپس میں

بھائی بھائی بن گئے، بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کو انسانیت کا سبق سکھلایا، اور قیامت تک

لوگ ان ہی کے درس انسانیت سے فائدہ اٹھاتے رہینگے

بعثت کا دوسرا مقصد ''تزکیہ'':

الغرض اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تین مقاصد بتلائے، تلاوت، تزکیہ،

یعنی انسان میں جتنی بری عادتیں اور جتنے اخلاق رذیلہ ہوتے ہیں، کبر، حسد، کینہ، بغض، حب

جاہ، حب مال، ان سب رزائل کو دور کرنا یہ آپ کی بعثت کا مقصد تھا، کتاب وحکمت کی باتیں

---

[1] عن ابی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل مابعثنی اللہ بہ من الھدی کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبت الکلأ والعشب الکثیر وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منھا طائفۃ اخری انما ھی قیعان لاتمسک ماء ولاتنبت کلأ فذالک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ بما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذالک رأسا ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸ مشکوۃ رقم ۱۵۰)

سکھلانا بھی آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرآن سے لگاؤ :

رسول ﷺ جب صحابہ کرام کے سامنے قرآن پڑھتے تھے، تو صحابہؓ لطف اندوز ہوتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ہےکہ ابتداء میں حضور ﷺ اور مسلمانوں پر ایک سال تک قیام اللیل فرض تھا، رات کی عبادت فرض تھی، پھر ایک سال بعد وہ منسوخ ہوگئی، پوری رات حضور ﷺ نمازوں میں قرآن پاک پڑھتے تھے اہل ایمان بھی سنتے تھے، بلکہ غیر مسلمین اور آپکے جانی دشمن بھی سن کر لطف اندوز ہوتے تھے۔

قرآن سے رغبت کا واقعہ :

علامہ جلال الدین سیوطیؒ [۲] نے ''خصائص کبری'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک رات ابوجہل [۳] اخنس بن شریق، اور ابوسفیان [۴] تینوں حضور ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے قریب جمع ہوگئے، اللہ کے رسول ﷺ قرآن کی تلاوت فرمارہے تھے، اور تلاوت بھی اللہ کے رسول ﷺ کی تھی، پھر پوچھنا ہی کیا، خود لسان نبوت سے کلام پاک پڑھا جارہا ہے، کتنا لطف ہوگا، تو یہ تینوں سن رہے تھے ان کو پتہ ہی نہ چلا کہ رات کا کونسا حصہ گذر رہا ہے، رفتہ

---

[۱] یاایھا المزمل کے تحت، آیت ا تفسیر مظہری ج ۱۲ ص ۱۰۳

[۲] علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے حالات جواہر علمیہ ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

[۳] ابوجہل کا نام عمرو ابن ھشام تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۱۱)

[۴] حضرت ابوسفیانؓ کے حالات جواہر علمیہ ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

رفتہ صبح صادق کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی، دیکھا کہ اوہ! اب صبح ہونے جارہی ہے، چلو جلدی سے بھاگ نکلیں کہ کہیں اہل مکہ دیکھ لینگے تو کیا کہینگے کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہیں تو ہمیں بھی سننا چاہئے، اس لئے تینوں اپنی اپنی جگہ سے بھاگے، لیکن روشنی کچھ اور پھیل گئی تھی، اس لئے آپس میں تینوں کی ملاقات ہوگئی، اور ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہاں کیسے؟ یہ صبح سویرے کہاں سے آرہے ہو؟ آواز بھی نکالنا نہیں چاہتے تھے، لیکن بتکلف کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن نے ہمیں بے چین کردیا تھا، اس کو سننے چلے گئے تھے، تینوں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے ایک دوسرے پر خوب غصہ نکالا کہ یہ کیا ہے؟ ہم لوگ قرآن سنیں گے، تو پورے اہل مکہ قرآن سننے آئینگے، اور مسلمان ہوجائینگے، چلو عہد کرلو اب کوئی نہیں جائیگا، انھوں نے عہد کرلیا اور چلے گئے، جب رات ہوئی تو گذشتہ کی لذت جو وہ اپنے دلوں میں اور کانوں میں محسوس کررہے تھے کہ ایسی لذت کہاں ملیگی؟ تو ابوجہل نے سوچا کہ میرا ساتھی تو آنیوالا نہیں ہے، چلو میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں، اور اخنس نے سوچا کہ ابوجہل اور ابوسفیان تو آنیوالا نہیں ہے، عہد ہوا ہے، چلو میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں، ابوسفیان بھی یہ سوچکر قرآن سننے چل دیا، ہر ایک یہ سوچ رہا ہے کہ میں اکیلا ہی جارہا ہوں اور تینوں وہاں جمع ہوگئے، چپکے چپکے کھڑے ہوکر قرآن سننے لگے، اور صبح کی ہلکی ہلکی روشنی ہونے لگی تو بھاگے اور راستہ میں تینوں کا آمنا سامنا ہوگیا، تو پھر ایک دوسرے پر غصہ نکالنے لگے، نادم ہوئے اور کہا کہ چلو عہد کرلو اب نہیں جائینگے، پھر عہد کیا، تیسری رات میں پھر ہر ایک نے یہی سوچا کہ اب تو پختہ عہد ہوچکا ہے، اب تو کوئی آنیوالا نہیں ہے، ہر ایک نے یہی سوچا کہ میں اکیلا ہوں اور تینوں جمع ہوگئے، صبح میں پھر بھاگتے ہوئے ملاقات ہوئی تو اب تو انکے پاس

غصہ ہو چکے الفاظ بھی نہیں تھے، نادم ہو کر اپنی نگاہیں جھکائے ہوئے تھے، اخنس بڑا ہوشیار اور چالاک سمجھا جاتا تھا، صبح میں اپنی لاٹھی ٹیکتے ہوئے ابوجہل کے پاس گیا، اور کہنے لگا یہ تو بتاؤ کہ اس نبی کے اور اس قرآن کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ ابوجہل کہنے لگا کہ ان سے ہمارے خاندان کا ہمیشہ سے جھگڑا چلا آرہا ہے، ہم ایک دوسرے پر کبھی غالب آتے ہیں، کبھی مغلوب ہوتے ہیں، اور جب سے یہ بنو ہاشم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں، اور انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ ہم کوئی نبی پیدا کردے، نبی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، کلام بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ کے طرف سے نبی ہے، اور کلام بھی اسی کا ہے، لیکن اسکے ساتھ جو لڑائی ہے اسکی وجہ سے ہم نے بھی یہی سوچ رکھا ہے کہ ہم تو لڑتے رہینگے، ہم ماننے والے نہیں ہے، پھر ابوسفیان کے پاس گیا، تو اسنے بھی دبے دبے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اور کلام پاک کی صداقت کا اعتراف کیا، اخنس نے بھی کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ اسکی ایک شان ہوگی، بہر حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی تلاوت فرماتے تو اہل ایمان تو اس سے مستفیض ہوتے ہی تھے، لیکن غیر مسلمین بھی آپکی تلاوت سن کر لطف اندوز ہوتے تھے۔

بعثت کا تیسرا مقصد۔ قرآن اور حکمت کی تعلیم :

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ تین مقاصد ہیں: ان میں تیسرا مقصد یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تعلیم بھی دیں، اور حکمت کی تعلیم بھی دیں، کتاب اللہ کو تو ہم سب جانتے ہیں، لیکن حکمت کیا چیز ہے؟ اس کو نہیں جانتے، امام شافعیؒ[1] نے اپنی کتاب ''الرسالۃ''

---

[1] امام شافعیؒ کے حالات جواہر طیبہ ج ۱ ص ۲۱۲ پر ملاحظہ ہو۔

میں لکھا ہے کہ " سمعت من خص من اهل الهمة فی القرآن یقول الحکمة سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم " امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان اہل علم سے جو قرآن پاک کا خاص علم رکھتے ہیں اور جن سے میں خوش اور راضی ہوں، یہ سنا ہے کہ کتاب اللہ میں جو حکمت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنتیں ہیں، امام شافعیؒ نے " الموافقات " میں لکھا ہے کہ حکمت سے مراد آپ کی احادیث اور سنن ہیں، جو کتاب اللہ کی تفصیل اور تشریح ہے، محمد ابن جریر طبریؒ[1] فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ

---

[1] امام ابن جریر طبریؒ کا مختصر تعارف: قاضی ابو عمر اور ابو القاسم وراق کا بیان ہے کہ امام طبریؒ نے ایک روز اپنے شاگردوں سے دریافت کیا، کیا تم قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کیلئے تیار ہو، شاگردوں نے عرض کیا کتنی ضخیم ہوگی، فرمایا تیس ہزار ورق یہ سن کر شاگردوں نے کہا کہ تفسیر کے پایہ تکمیل کو پہونچنے سے پہلے ہی ہماری عمریں تمام ہو جائیں گی، چنانچہ انہوں نے مختصر کر کے تین ہزار اوراق میں اپنی تفسیر مکمل فرمائی، جو ۲۸۳ھ سے لیکر ۲۹۰ھ میں سات سال کے عرصہ میں اختتام پذیر ہوئی، بعد ازاں شاگردوں سے دریافت کیا تم حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک پورے عالم کی تاریخ لکھنے کے لئے تیار ہو، شاگردوں نے پوچھا کتنی ضخیم ہوگی، امام صاحبؒ نے وہی پہلے والا جواب دیا شاگردوں نے وہی جواب دہرایا شاگردوں کا حوصلہ شکن جواب سنکر امام طبریؒ نے فرمایا افسوس حوصلے ختم ہو گئے پھر اختصار کے ساتھ تفسیر کے حجم کے بقدر تاریخ قلم بند کروائی اور اے ۲ ربیع الثانی ۲۹۰ھ بروز بدھ اس عظیم کتاب سے فراغت پائی۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ علی بن عبید اللہ سمسی کا بیان ہے کہ ابن جریر طبریؒ نے چالیس سال ایسے گذارے ہیں جن میں چالیس اوراق یومیہ تصنیف کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا، ان کے شاگرد ابو محمد مرغانی کہتے ہیں کہ امام بن جریر کے تلامذہ نے بلوغ سن لیکر وفات تک کی مدت کا حساب لگا کر ان کی تصانیف کو اس مدت پر تقسیم کیا تو یومیہ ۱۴ اوراق کا اوسط بر آمد ہوا۔

ولادت ۲۲۴ھ ہے اور وفات ۳۱۰ھ کل عمر آپ کی ۸۶ سال ہوئی، وفات سے ایک یا آدھ گھنٹے پہلے دیکھا کہ امام طبریؒ نے کاغذ اور دوات طلب کیا اور جعفر ابن محمد کے حوالے سے ایک دعا لکھی کسی نے عرض کیا کہ حضرت اس حالت میں بھی آپ یہ زحمت فرماتے ہیں فرمایا انسان کو مرتے دم تک تحصیل علم کو ترک نہیں کرنا چاہئے، ابن جوزیؒ نے بڑی اچھی بات کہی کسی عالم کی کتاب اس کی زندہ جاوید اولاد ہے (وقت کی اہمیت شیخ ابو غدہ ص ۶۹)

ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو احکام بتلائے اور سکھلائے کہ وہ آپ ہی سکھلا سکتے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی نہیں بتلا سکتا ہے، قرآن میں حکمت سے مراد وہی احکام ہے۔

اور بھی دیگر مقامات پر قرآن میں ہے جیسے "سورۃ النجم" میں ہیں، "ومانیطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی" کہ آپ ﷺ جو بھی بات اپنی زبان مبارک سے نکالتے ہیں وہ وحی کی روشنی میں نکالتے ہیں، کلام اللہ اور اسکی آیات یہ تو وحی متلو اور وحی جلی کہلاتی ہیں، اور ان آیات کی تشریح جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یا اپنے احوال یا اپنی تقریرات سے امت کے سامنے بتلائی اس کا نام وحی غیر متلو اور وحی خفی ہے، اور اسکو سنن اور احادیث رسول کہا جاتا ہے۔

وحی کی مشقت اور حضور کا تحمل :

رسول ﷺ پر جب وحی اترتی تو اس اندیشہ سے کہیں میں بھول نہ جاؤں، آپ ﷺ اپنی زبان مبارک سے آیات قرآنیہ کو دہراتے اور تکرار کرتے، چونکہ وحی ایک ثقیل اور بوجھل شی ہے، جیسا کہ ہمارے بخاری کے یہ طلب ابتداء ہی میں باب بدء الوحی کے ذیل میں وحی کے احکام اور اس کا بوجھ جو ہوتا تھا اسکی روایتیں پڑھینگے، جب وحی اترتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارکہ پر سخت سردی کے زمانے میں بھی پسینہ اس طرح ٹپکتا تھا کہ جیسے موتی کی لڑیاں اور موتی کے دانے گر رہے ہیں، کبھی اونٹ پر سوار ہوتے اور وحی کا نزول ہوتا تو اونٹ بھی بیٹھ جاتا تھا، کبھی آپ ﷺ کسی کے پہلو میں بیٹھے ہوتے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک مرتبہ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، حضور ﷺ

کی ران مبارک ان کی ران کے اوپر تھی، اچانک وحی نازل ہوئی کوئی لمبی سورت نہیں تھی، ایک آیت بھی نہیں بلکہ آیت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اترنے کا باقی تھا، وہ اترنے والا تھا[1] بس جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، تو حضرت زید بن ثابت[2] فرماتے: ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میری ران چور چور ہو رہی ہے، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے، جب حضرت زید کو اتنا بوجھ لگتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا بوجھ ہوتا ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھول جانے کے اندیشہ سے ہونٹوں کو حرکت دینا :

اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تو یہ بوجھ اور پھر اسی کے ساتھ یاد کرنے کی فکر کہ کہیں اللہ کا پیغام بھول نہ جاؤں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ساتھ ساتھ خود بھی جلدی جلدی دہراتے، اللہ تبارک وتعالی کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ میرے حبیب پر ایک ہی وقت میں دو دو مشقتیں ڈالی جائیں، اس لئے فرمایا کہ: لاتحرک به لسانک لتعجل به، ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه۔ اپنی زبان کو اس لئے حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو اپنے دل میں محفوظ کرلیں، اس کی فکر نہ کریں، اس قرآن پاک کو آپکے دل میں محفوظ کر دینا، اور پھر دوبارہ اس کو پڑھوا دینا یہ ہماری ذمہ داری ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" (سورۃ الدھر پ ۲۹) ہمیں نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور ہم

---

[1] اس وقت جو وحی اتری وہ یہ تھی غیر اولی الضرر (انعام الباری ج ۱ ص ۲۰۳)

[2] زید بن ثابت کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو

ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس لئے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، ثم ان علینا بیانہ پھر اس قرآن پاک آیات کی تشریحات اور اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے، اسکی بھی آپ فکر نہ کیجئے، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنیہ اور الفاظ قرآنیہ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس طرح ان آیات کا بیان اور ان کا مطلب یعنی احادیث اسکی بھی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، فرق اتنا ہے کہ قرآن کی آیات جبرئیل امین کے واسطے سے وحی کے ذریعہ اترتی تھی، اور ان آیات کی معانی اور مطالب اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے آپ کے دل پر اتارتے تھے، چنانچہ قرآن پاک کی ایک دو نہیں سینکڑوں آیات ایسی ہے کہ ہم عربی گرامر اور عربی زبان کو پڑھکر انکا ترجمہ کرلیں، تب بھی ہم کچھ نہیں سمجھ سکیں گے، دین ہماری زندگیوں میں آہی نہیں سکتا جب تک کہ قرآن پاک کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں نہ سمجھیں، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روایت میں فرمایا، ہمارے طلبہ مشکوۃ شریف میں بھی یہ روایت پڑھ چکے ہونگے۔ ''الا'' خبر دار ہو جاؤں بیشک مجھے قرآن دیا گیا اور اسی جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی[۱] اب یہ چیز کیا ہے؟

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن تو تیس پاروں میں ہمارے سامنے موجود ہے، اور اسی جیسی چیز وہ رسول اللہ ﷺ کی سنتیں اور احادیث ہیں، جو قرآن پاک کی تفسیر و تشریح ہیں۔

قاری محمد طیبؒ کا مشکوۃ سے لگاؤ:

ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے وہ بھی ہمارے طلبہ ''مشکوۃ شریف''

---

[۱] عن المقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا انی اوتیت القرآن ومثلہ، الخ، رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی ومسند احمد، مشکوۃ رقم ۱۶۳ وعن ابی رافع رضی اللہ عنہ ایضا

میں پڑھ چکے ہیں، مشکوۃ شریف بڑی اہم کتاب ہے، ان طلبہ سے گذارش ہے کہ اسکو بڑی توجہ سے پڑھیں، یہ تقریبا بارہ تیرہ کتب حدیث کا خلاصہ ہے، حکیم الاسلام قاری محمد طیب[1] صاحب فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں مشکوۃ شریف کا چھوٹا سا کتابچہ بنالوں، اور ہر وقت اپنے جیب میں رکھوں، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے، آج یہ موبائیل کا دور ہے، اگر موبائیل حضرت کے زمانہ میں آجاتا تو حضرت کی تمنا پوری ہوجاتی اور حضرت اپنے ساتھ مشکوۃ ہی نہیں بلکہ ہزاروں کتابوں کو اپنے جیب میں لیکر پھرتے، اتنی اہمیت تھی ان کتابوں کی، ہمارے شیخ المشائخ جن سے ہماری بخاری شریف کی سند وابستہ ہے حضرت مفتی صاحب[2] (مفتی احمد خانپوری) دامت برکاتہم العالیہ نے اور میں نے دارالعلوم اشرفیہ میں ایک ہی شیخ سے بخاری شریف پڑھی، حضرت شیخ اجمیریؒ[3] سے میں نے خود بھی یہ سنا اور حضرت مہتمم مولانا یعقوب اشرف صاحب کے واسطہ سے بھی سنا کہ جو شخص مشکوۃ شریف چند سال اچھی طرح پڑھالے تو اسکے لئے حدیث کی کوئی کتاب پڑھانا مشکل نہیں، بہت سی کتابیں اس سے حل ہوجاتی ہے۔

حدیث کے بغیر چارہ نہیں:

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تم میں سے کسی کو ایسے حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہو، جیسا کہ کوئی آدمی اپنے مال ودولت کے نشہ میں ٹیک لگا

---

[1] قاری محمد طیب صاحبؒ کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

[2] حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

[3] حضرت مولانا اجمیری صاحبؒ کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

کر بیٹھا ہو، عیش و عشرت میں ہو کسی چیز کی فکر نہ ہو اور وہ یہ سوچے کہ بس! میرے لئے تو یہ کتاب اللہ کافی ہے، اس حدیث کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ایسا میں ہرگز نہ پاؤں[1]، گویا اس روایت میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ کچھ لوگ اور ایک قوم ایسی بھی ہوگی، جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا انکار کریگی، چنانچہ مستقل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے، جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حدیث قابل حجت اور واجب العمل نہیں ہے، بس قرآن میں جو کچھ ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے، متعدد وجوہات سے حضرات علماء نے اس فرقہ کی تردید کی ہے، حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ کی[2] کتاب "تدوین حدیث" کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ حدیث کیا ہے؟ اور اس کی کتنی ضرورت ہے؟ کتنی اہمیت ہے؟ اور یہ کہ اسکے بغیر انسان کا دین

---

[1] عن العرباض ابن ساریہ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا مافی ھذا القرآن؟ الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انھا لمثل القرآن او اکثر وان اللہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم۔ رواہ ابو داؤد فی اسنادہ۔ مشکوۃ رقم ۱۶۳

[2] حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ: آپ ۹/ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن گیلان میں حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور ۱۳۳۱ھ میں آپ نے دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اور ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث میں شریک رہ کر دارالعلوم سے کتب حدیث کی سند حاصل کی، آپ علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اساتذہ سے علمی اور روحانی فیضان و تربیت سے مالا مال ہوئے اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی سے بھی اصلاح و تربیت کا سلسلہ قائم کیا، اور حضرت کے دست حق پر بیعت کر کے سلوک و تصوف کے منازل بھی طے کرتے رہے، آپ کا جو والہانہ اسلوب تحریر میں پایا جاتا تھا وہی والہانہ رنگ تقریر میں بھی تھا، آپ نے (سوانح القاسمی) کی چوتھی جلد شروع کی، پانچ صفحے ہی لکھنے پائے تھے کہ عمر فانی نے جواب دیا اور القاسم پر انتہا ہوگئی۔ ۲۵/ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ ۵/ جون ۱۹۵۶ء کو رحلت فرمائی، اپنے وطن گیلان ہی میں تدفین ہوئی (سلسلہ اشرفیہ امدادیہ کے سو بڑے علماء ص ۴۳ ۔ دارالاشاعت دیوبند)

مکمل ہو ہی نہیں سکتا، اسی حدیث میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتیں بتلائی کہ دیکھوں پالتو گدھا کھانا حرام ہے[1] قرآن میں نہیں ہے، میں بتلا رہا ہوں، اور بھی دو چار چیزیں اس طرح کی روای نے اس حدیث کے ساتھ ذکر کی ہے۔

قرآن کا اترنا اور صحابہ کا لکھنا :

بہر حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یاد فرماتے تھے، اور صحابہ بھی اس کو یاد کرتے تھے، اور قرآن پاک کے لکھنے پر بھی متعدد صحابہ کرام مامور تھے، لیکن زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کا نظام تھا، کیونکہ انکے حافظے قوی تھے، اور ساتھ ساتھ لکھنے کا بھی نظام تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو بھی صحابہ کرام بکثرت یاد کرتے تھے، بڑے اہتمام سے یاد کرتے تھے، اور بہت سے صحابہ کرام اس کو لکھتے بھی تھے، چنانچہ بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے "باب کتابة العلم" کے تحت متعدد روایات ذکر کی ہے کہ علم حدیث کو لکھنا کیسا ہے؟۔[2]

---

[1] وان ماحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما حرم اللہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ، رواہ ابو داؤد مشکوة ۱۶۳

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا اس میں استعن بیمینک اپنے داہنے ہاتھ سے مدد حاصل کرو اور لکھو ترمذی کتاب العلم حدیث ۲۶۶۶۔

وعن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیہ رواہ البخاری ومشکوة ۱۹۸

حضرت علیؓ کے متعلق روافض کی غلط فہمی :

حضرت علیؓ[1] کے متعلق روافض میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ ہے، جسکے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جو وصیتیں فرمائی تھی وہ اس میں موجود تھیں ، چنانچہ حضرت علیؓ سے اس کے متعلق پوچھا گیا کہ آپکے پاس جو صحیفہ ہے اسمیں کیا ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس میں دیات، قصاص اور قیدیوں کے سلسلہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث ہیں اسکے سوا کچھ نہیں ہے[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیات قصاص اور قیدیوں کے سلسلہ کی جو روایتیں بیان فرمائی تھی، حضرت علیؓ نے ان کو لکھکر اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔

حدیثوں کا لکھنا، اور حضور کا اجازت دینا :

اسی طرح ابوھریرہؓ[3] فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سب سے

---

[1] حضرت علیؓ کے حالات "ضرب کلیم" جلد ۱ ص ۸۶ پر ملاحظہ ہو۔

[2] عن ابی جحیفة رضی اللہ عنہ قال قلت لعلی رضی اللہ عنہ هل عندكم كتاب؟ قال لا الا كتاب الله او فهم اعطيه رجل مسلم او مافی هذه الصحيفة قلت ومافی هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم بكافر۔ رواه البخاری۔ حدیث ۱۱۱

[3] حضرت ابوھریرہؓ کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۱ ص ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ[1] کے اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا" "مسند احمد" وغیرہ میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ جو باتیں ہمارے سامنے ارشاد فرماتے ہیں ہمارے لئے ان کو یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے تو کیا ہم ان کو لکھ نہ لیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں لکھ لو، چنانچہ عبداللہ بن عمروؓ لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے کچھ نوجوانوں نے ان سے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کیوں لکھ لیتے ہو، حالانکہ حضور کبھی کوئی بات مذاق میں اور کبھی غصے میں فرماتے ہیں، اس لئے ہر بات نہ لکھا کرو، تو عبداللہ بن عمروؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر یہ بات عرض کی کہ بعض لوگ مجھے لکھنے سے منع کرتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اکتب لکھو، قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اس زبان سے حق کے سوا، کچھ نہیں نکلتا، چاہے کسی بھی حال میں ہوں، چنانچہ عبداللہ بن عمروؓ کا لکھا ہوا نسخہ صحابہ کرام میں صحیفہ صادقہ کے نام سے مشہور تھا، معلوم ہوا کہ احادیث کے لکھنے کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوا ہے۔ اور ایک صحابی ہے" سمرہ بن

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص: نام عبداللہ، ابو محمد اور ابو عبدالرحمن کنیت تھی، والد کا نام عمرو بن العاص اور والدہ ماجدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، اپنے والد سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۳)

آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور یہ اپنے تلامذہ کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے تھے اور تیسرے دن قرآن ختم کرتے تھے (بخاری) آپ کی وفات ۶۵ھ میں مقام ضباط میں ہوگئی، اس زمانے میں مروان ابن الحکم اور عبداللہ بن زبیر کی جنگ ہورہی تھی اس لئے لوگوں نے ان کے ہی گھر میں دفن کردیا، کیونکہ جنازہ کو عام قبرستان تک پہونچانا بھی مشکل تھا، آپ سے سات سو روایات کتب احادیث میں ملتی ہے، جن میں ۱۷ روایات میں بخاری و مسلم دونوں میں متفق ہیں اور ۸ روایات بخاری میں اور ۲۰ مسلم الگ ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۰۸)

جندب [1] ان کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث لکھی ہوئی تھی، ان کی روایتیں کتب احادیث میں موجود ہے [2]، ابوداؤد شریف میں بھی چھ احادیث ہیں، ابوداؤد میں ان کی جو روایتیں ہیں انکی ایک خاص علامت ہے کہ جس روایت میں اَمابعد سے جو مضمون شروع ہوتا ہے وہ انہیں کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ کے دو شاگرد تھے، ہمام ابن منبہؒ [3] اور وھب بن منبہؒ [4] یہ دونوں حضرت ابوھریرہؓ کی روایات کو لکھتے بھی تھے اور نقل بھی کرتے تھے، ہمام ابن منبہؒ کی بہت سی روایات مسند احمد میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بھی ان سے بعض روایات آئی ہیں۔

---

[1] سمرہ بن جندب: سمرۃ ابن جندب الفرازی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی روایت نقل کرتے ہے بصرہ میں انتقال ہوا ۵۹ھ میں۔

[2] بخاری شریف کتاب الجہاد باب الصبر عند القتال حدیث ۲۸۳۳۔

[3] ہمام ابن منبہ وھب ابن منبہ کے بڑے بھائی ہیں اور آپ بھی حضرت ابوھریرۃ کے شاگردوں میں سے ہیں ۵۸ھ سے جو مجموعہ حدیث حاصل کیا وہ آپ نے اپنے شاگرد ابن راشد کے سپرد کر دیا اور ان سے یہ مجموعہ ان کے شاگرد عبدالرحمن ابن ھمام ابن نافع کو ملا، ان سے لیکر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کیا، اور حضرت ھمام ابن منبہ فارسی النسل تھے آپ کی وفات ۱۰۱ھ میں ہے، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا زمانہ اور آپ کا زمانہ ایک ہی ہے اور آپ کی کنیت ابوعقبہ تھی (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۰۸)

[4] وھب ابن منبہ: وھب ابن منبہ کنیت ابوعبداللہ اور نسبت یمانی وصنعانی، آپ کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے، ان کے والد خراسان میں ہرات کے رہنے والے تھے آپ کی پیدائش ۳۴ھ میں ہوئی اس وقت آپ کے والد محترم یمن میں رہتے تھے آپ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ حضرت ابوھریرہؓ عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص اور ابوسعید خدری حضرت جابرؓ سے احادیث روایت کی ہیں، آپ کے شاگردوں میں ان کے بیٹے عبداللہ ابن وھب، وعبدالرحمن اور امام بخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی وترمذی ہیں، ان کی مرویات کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے، ایک قول کے مطابق آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک وھب ثقہ ہیں۔

(اور ہمام ابن منبہؒ نے ابوھریرہؓ سے جو روایتیں سنکر جمع کی تھی اس مجموعہ کا نام صحیفہ ہمام ابن منبہؒ ہے جو ۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے، اور دائرۃ المعارف سے شائع بھی ہوا ہے،، ہمارے دارالعلوم اشرفیہ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے)...... بین القوسین مرتب کی طرف سے بڑھایا ہوا ہے......

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ جیسے قرآن کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالی نے کیا اور اسکا ایک مستقل نظام بنایا ہے ایسے ہی احادیث مبارکہ جو حقیقت میں قرآن کی تفسیر وتشریح ہے اسکی حفاظت کا نظام بھی صحابہ کرامؓ کے ذریعہ چلایا ہے۔ اور حضرت ابوھریرہؓ کو مکثرین فی الحدیث کہا گیا۔

مکثرین فی الحدیث کس کو کہتے ہیں؟:

بہت سے صحابہ کرام ہیں جو مکثرین فی الحدیث کہلاتے ہیں، یعنی وہ صحابہ جن سے ایک ہزار یا اس سے زیادہ احادیث منقول ہو، ابھی حضرت ابوھریرہ کا ارشاد نقل کیا کہ وہ عبداللہ بن عمروؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ عبداللہ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ ابوھریرۃ ان سے زیادہ احادیث کو جاننے والے تھے، تو پھر انھوں نے ایسا کیوں کہا؟ اسکی متعدد توجیہات کی گئی ہے، ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ چونکہ حضرت ابوھریرہؓ کا قیام مدینۃ العلم اور مدینۃ الرسول میں رہا، اس لئے ان کی روایات کے ناقلین بڑی تعداد میں رہے، اور عبداللہ بن عمروؓ چونکہ کوفہ یا بصرہ چلے گئے اس لئے ان سے ناقلین کی تعداد کم رہی، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابوھریرہؓ نے یہ بیان کیا انکے علم کے اعتبار سے، اسوقت

عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات زیادہ ہیں، لیکن بعد میں جب روایات کو جمع کیا گیا تو حضرت ابوھریرہؓ کی روایات زیادہ نکلی، ۵۳۷۴، یا ۵۳۷۵، روایات حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، حضرت عائشہ سے ۲۲۱۰ کے قریب احادیث مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ۲۰۰۰ سے زیادہ احادیث مروی ہے، متعدد صحابہ کرام ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اسطرح جمع فرماتے تھے۔

اسماء الرجال کے ذریعہ حدیثوں کی حفاظت:

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی احادیث کی حفاظت کے لئے امت میں یہ نظام بنایا ہے، اور احادیث کے نقل کرنے کے اس سلسلہ میں متعدد فنون وجود میں آئے، جن میں ایک عظیم ترین فن اسماء الرجال کا ہے، جس میں ان احادیث کے نقل کرنے والے محدثین کے پورے حالات ہوتے ہیں، کہ اس حدیث کو فلاں فلاں محدث نے حضور ﷺ تک نقل کی ہے، تو ان محدثین کے حالات کہ یہ اپنے زمانے میں کیسے تھے، ان کے اخلاق وعادات اور دیانت وذکاوت کا مفصل تعارف فن رجال میں ہوتا ہے، اور اسکے لئے ائمہ فن رجال نے قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑے ہی باریک اصول بنائیں ہیں، جسکی بناء پر قریب ۵ لاکھ محدثین کے حالات اب تک محفوظ ہیں، جیسا کہ "علامہ سید سلیمان ندویؒ[1] نے کسی انگریز ڈاکٹر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس فن رجال

[1] علامہ سید سلیمان ندویؒ: سید الملت، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، کاروان تھانوی کے مایہ ناز افراد میں سے تھے، آپ کے والد ماجد حکیم سید ابوالحسن صاحب ندوی مرحوم ایک ممتاز عالم دین تھے، آپ ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۱ء میں

بقیہ اگلے صفحہ پر

کی برکت سے اسی زمانہ کے قریبا ۵ لاکھ افراد کے حالات اب تک بالکل محفوظ ہے، جس وقت وسائل بالکل نہ ہونے کے برابر تھے، اندازہ لگائیں کہ ان احادیث مبارکہ کی حفاظت اور اس کو امت کے آخری طبقہ تک پہنچانے کے لئے محدثین کرام نے کتنی محنتیں کی ہوگی، اللہ تعالی ان کو ساری امت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں، اور ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔

بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ جو کہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے اسکی حفاظت کے لئے اللہ تعالی نے یہ نظام بنایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے یاد بھی کرتے تھے، اور لکھتے بھی تھے، اسی طرح ان احادیث کو اپنے تلامذہ کے سامنے روایت اور نقل کرنے کا بھی خاص اہتمام تھا، اسی طرح پھر ان کے تلامذہ درجہ بدرجہ یہ احادیث نفوس سے نفوس میں منتقل ہوئی اور ساتھ میں لکھنے کا بھی نظم تھا، یہاں تک کہ پھر حدیث کی متعدد کتب وجود میں آگئی۔

حدیث کو جمع کرنے والے پہلے شخص کون؟ :

احادیث مبارکہ کو جمع کرنے والا سب سے پہلے کون شخص ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہے، جبل العلم حافظ ابن حجر عسقلانی [۱] اور بعض دوسرے محدثین کا یہ کہنا ہے کہ سب

(ماقبل صفحہ کا بقیہ) اعلی تعلیم کیلئے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۶ء میں فارغ وتکمیل کی سند حاصل کی، آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے بڑے محب ومحبوب تھے، ساری عمر حکیم الامت کے مسلک ومشرب پر قائم رہے، اور ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو رحلت فرمائی، ہزاروں عقیدت مندوں نے کراچی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے پہلو میں اسلامیہ کالج کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔ (سلسلہ امدادیہ کے سوبڑے علماء ص ۵۳۔ دارالاشاعت دیوبند)

اگلے صفحہ پر

سے پہلے "امام ابن شہاب زہریؒ" ؎۲ نے احادیث مبارکہ کو جمع فرمایا ہے، لہذا جامع اول اور

؎۱ ابن حجر عسقلانی، احمد نام، ابو الفضل کنیت، شہاب الدین لقب، اور ابن حجر عرف ہے، شجرۂ نسب یہ ہے، احمد بن علی بن محمد بن علی احمد الکنانی العسقلانی المصری ثم القاہری الشافعی۔ لیکن حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ میں اور علامہ سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ میں اس طرح بیان کیا۔ احمد بن علی بن محمد بن محمد علی محمود بن احمد بن احمد۔ آپ ۲۳/۱ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، مقام ولادت مصر کا عتیقہ نامی ایک قریہ بتایا جاتا ہے، ۸۴ ۷ھ کے آخر میں جبکہ آپ گیارہ سال کے تھے، اپنے وصی کی معیت میں حج بیت اللہ کیلئے گئے، اور ایک سال تک جوار حرم میں ہی مقیم رہے، آپ نے کئی حج کئے اور طلب حدیث میں بہت سے شہروں کا سفر کیا آپ کو قوت حافظہ اور ذکاوت خداداد تھی، وفات ذی الحجہ کی اٹھائسویں تاریخ کو سنیچر کی رات میں نماز عشاء کے بعد انتقال کر گئے، سنیچر کے دن نماز ظہر سے ذرا پہلے قاہرہ کے باہر رمیلہ کے مصلی المومنین میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کی تصانیف: حافظؒ نے حدیث رجال اور تاریخ وغیرہ پر قلم اٹھایا اور حافظ سخاوی کے بقول یہ تصانیف ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے متجاوز ہیں، جب کہ بعض جدید محققین نے حافظؒ کی دو سو بیاسی (۲۸۲) تصنیفات ذکر کی ہیں، ان میں سے مشہور تصانیف یہ ہیں: (۱) اتحاف المہرہ باطراف العشرہ۔ (۲) الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ (۳) انباء الغمر بأبناء العمر۔ (۴) بلوغ المرام۔ (۵) تبعیر المنتبہ بتحریر المشتبہ۔ (۶) المجمع المؤسس۔ (۷) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ۔ (۸) تغلیق التعلیق۔ (۹) تقریب التہذیب۔ (۱۰) تہذیب التہذیب۔ (۱۱) لسان المیزان۔ (۱۲) التلخیص الحبیر۔ (۱۳) الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف۔ (۱۵) فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ (۱۶) المطالب العالیہ۔ (۱۷) نخبۃ الفکر و شرحہا نزھۃ النظر۔ (۱۸) نزھۃ الباب فی الالقاب۔ حافظؒ کی تصانیف میں فتح الباری کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی تصنیف کو حاصل نہیں ہے۔

؎۲ ابن شہاب زہریؒ: نام و نسب محمد ابن مسلم بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ القرشی الزہری المدنی، آپ ملک شام میں رہتے تھے، آپ زہری کے نام سے مشہور تھے، پردادا کی جانب نسبت کرکے ان کو ابن شہاب بھی کہا جاتا ہے، آپ کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے، آپ حضرت انس ابن مالکؓ سہل بن سعدؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ سے حدیث نبویؐ کا درس لیا، حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں میں نے زہری سے بہتر روایت کرنے والا نہیں دیکھا امام بخاریؒ اپنے استاذ امام علی بن مدینی سے نقل کرتے ہے کہ انہوں نے فرمایا زہریؒ کو دو ہزار حدیثیں یاد ہیں، احمد بن فرات کا قول ہے کہ امام زہریؒ کی سند سب سے بڑھکر ہے، امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ زہریؒ اسی راتوں میں قرآن حفظ کر لیا تھا، حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کے عہد خلافت میں آپ کے حکم ہی سے احادیث جمع کی، ۱۲۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اور ملک شام کا تھا وں شغبدا میں مدفون ہوئے (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۹۰ نیز تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۵)

مدوّن اول ابن شہاب زہریؒ ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ[1] جو خلیفہ خامس سے مشہور ہیں، کیونکہ ان کی خلافت کا دور خلافت راشدہ کے موافق تھا، انہوں نے اپنے دور خلافت کے عواقب میں یعنی پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتداء میں مختلف گورنروں کو حکمنامہ بھیجا کہ اپنے یہاں کے علماء کو کہو کہ وہ احادیث جمع کر کے پایہ تخت کو فہ بھیجیں، خاص طور سے مدینہ منورہ میں ابوبکر ابن الحزمؒ کو پیغام بھیجا کہ علماء مدینہ جو روایات بیان کرتے ہیں ان کو جمع کر کے بھیجا جائے، اور پلان یہ تھا کہ یہ روایات کے مجموعہ آئینگے ابن شہاب زہری ان کو مرتب کرینگے، اس لئے ان کو جامع اول کہتے ہیں، اور امام بخاریؒ اور دیگر کچھ محدثین کا خیال یہ ھیکہ جامع اول ابوبکر ابن حزمؒ ہے، امام بخاریؒ نے لکھا ھیکہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ابوبکر ابن حزم کو خط لکھا کہ احادیث کو جمع کرو اس لئے جامع اول ابوبکر ابن حزم ہوئے، لیکن ابن حجر عسقلانیؒ اور امام مالکؒ نے یہ فرماتے ہیں کہ راجح یہ ھیکہ حضرت امام ابن شہاب زہریؒ ہی جامع اول ہے۔[2]

---

[1] حضرت عمر بن عبد العزیز: علامہ ذہبیؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے، امام حافظ، علامہ، مجتہد، زاہد، عابد، سید، امیر المؤمنین حقاً خلیفہ زاہد، راشد شیخ بنی امیہ۔ حضرت عمر بن عبد العزیز، خلفاء بنی امیہ میں ایک انفرادی شان کے خلیفہ تھے، باپ کی طرف سے ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا، اور ماں کی طرف سے حضرت فاروق اعظم کا خون ان میں دوڑ تا تھا، ان کی والدہ محترمہ حضرت فاروق اعظم کی پوتی، اور حضرت عاصم بن عمر کی بیٹی ان کی ولادت ۶۱ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۶۳ھ ہوئی، مدینہ کی گورنری کا زمانہ ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک تھا وفات ۱۰۲ھ میں ہوئی۔ (تجدید گزار بندے ص ۳۲۹)

[2] ان اقوال مختلف کے درمیان تطبیق بہت آسان ہے وہ یہ ہے کہ اولیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) اولیت محضہ۔

(۲) اولیت اضافیہ۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہ پہلا طبقہ ہے سن ۱۰۰ھ سے لیکر ۱۲۵ھ یا سن ۱۳۰ھ کا جو عرصہ ہے اس میں کیف ما اتفق حضور ﷺ کی احادیث جمع کردی گئی، کہ حضور کی احادیث جتنی بھی ہو جمع ہو جائے،

(ماقبل صفحہ کا حاشیہ) اولیت محضہ کا مطلب: یہ ہے کہ بغیر کسی اضافی امور کے اولیت حاصل ہو جائے، جیسے اول من قال اما بعد، مطلقاً داؤد علیہ السلام، یعنی سب سے پہلے اما بعد کہنے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، اولیت اضافیہ کا مطلب: یہ ہے کہ اولیت کسی اضافی امر کی وجہ سے حاصل ہو، جیسے

(۱) امام مالکؒ اول من دون الحدیث باعتبار مدینہ ہیں

(۲) ابن جریجؒ اول من دون الحدیث باعتبار مکہ ہیں

(۳) عبداللہ ابن مبارک اول من دوالحدیث باعتبار خراسان ہیں

(۴) ہشیمؒ اول من دون الحدیث باعتبار واسط ہیں

(۵) حماد ابن سلمؒ اول من دون الحدیث باعتبار بصرہ ہیں

(۶) سفیان ثوریؒ اول من دون الحدیث باعتبار کوفہ ہیں

(۷) معمر بن راشد اول من دون الحدیث باعتبار یمن ہیں

(۸) امام اوزاعیؒ اول من دون الحدیث باعتبار شام ہیں (اوجز المسالک ج اص ۱۷)

اب یہ اعتراض کہ اول من دون الحدیث کے باب میں اتنے اقوال اور اختلاف کیوں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دور میں اتنے وسائل اور رسائل مراسلات نہیں تھے، کسی بھی چیز کا علم قافلہ اور مسافرین کے ذریعے ہوتا تھا تو اس میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی تھی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ جن حضرات کو اول من دون کہا گیا ہے، انہوں نے مطلق کتابی شکل میں جمع کیا ہو، بعد میں تنقیح و تہذیب یا دوسری نوع کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کو اول من دون الحدیث کہہ دیا گیا ہو، مثلاً: امام بخاریؒ کو جو اول من دون الحدیث کہا گیا وہ احادیث صحیحہ کے جمع کرنے کے اعتبار سے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب الفیہ میں نقل کیا ہے۔

اول جامع الحدیث والاثر	ابن شہاب ؒ آمر لہ و مرؒ
واول الجامع لأبواب	جماعۃ فی العصر ذو اقتراب
کابن جریح ؒ وھشیم ؒ ومالک ؒ	ومعمر وولد المبارک ؒ
واول لجامع باختصار	علی الصحیح فقط البخاری ؒ

کہ انکی کوشش یہ تھی اور جمع کرنے میں مختلف عناوین اور ابواب کے حساب سے انہیں جمع نہیں کیا گیا تھا، اور ابن شہاب زہری کی وفات ۱۲۵ھ ہے اور ابو بکر بن حزم کی وفات ۱۲۰ھ ہے اس لئے یہ دونوں حضرات طبقہ اولیٰ میں ہیں۔

اسکے بعد ۱۵۰ھ سے ۱۶۰ھ کا ۲۵، ۳۰ سال کا عرصہ اس میں محدثین کا دوسرا طبقہ جسمیں سعید بن عروبہ[1] اور ربیع ابن الصبیح[2] وغیرہ حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو الگ الگ ابواب میں جمع کیا، لیکن اس وقت یہ تھا کہ "کتاب الطہارت" کی احادیث کا ایک نسخہ الگ ہے "کتاب الصلوۃ" کی احادیث دوسرے نسخہ میں ہے، سب ابواب کی احادیث ایک مجموعہ میں اور بین الدفتین ایک ساتھ نہیں تھی جیسا کہ آج ہے۔

تیسرا طبقہ ۱۶۰ھ سے ۲۰۰ھ تک میں جن محدثین نے احادیث مبارکہ کو جمع وترتیب کا کام کیا ان میں بہت سارے نام ہیں، مثلاً حضرت سفیان ثوریؒ[3] اور امام اوزاعیؒ[4]

---

[1] سعید ابن عروبہؒ۔ متوفی ۱۵۶ھ مباحث فی الحدیث ص ۱۹۶

[2] نام ربیع والد کا نام صبیح، کنیت ابوبکر اور ابو حفص ہے، اور یہ زیادہ مشہور ہے، آپ نے کثیر تابعین سے استفادہ کیا، جن میں سے حضرت حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، عطاء بن رباحؒ وغیرہ وقبیلہ سعد بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لئے سعدی بھی کہلاتے۔ آپ کے علوم وفنون کے تمام ائمہ قائل ہیں اور آپ کو بصرہ میں پہلے مصنف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، امام جلبی کے قول کے مطابق اور ابن عباسؓ کے زمانے میں اہل عرب کی شکایت پر خلیفہ نے لشکر بھیجا جس میں حضرت ربیع بھی تشریف لائے یہ لشکر ہند کی طرف روانہ ہوا اور بھروچ صوبہ گجرات کے ۶ میل دور بحاز بھوت پر چڑھائی کی کامیابی کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو سمندر میں طغیانی کی وجہ سے مجبوراً وہاں رکنا پڑا، اور اسی دوران وہاں ایک بیماری پھیلی، یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا تھا، اور ایسا زہریلا تھا کہ جلدی موت آجاتی بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت ربیع کا اسی جگہ انتقال ہوا، اور بعض محققین کا بیان ہے کہ بمبئی کے قریب تھانہ میں وفات پائی ۱۶۰ھ سیرۃ الصحابہ، سید سلیمان ندوی ج ۹ ص ۱۵۲

[3] سفیان ثوری کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۱ ص ۸۷ پر ملاحظہ ہو۔ [4] امام اوزاعی کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۳ میں ملاحظہ ہو۔

امام مالک[1] اسی طرح حماد بن سلمہ[2] وغیرہ متعدد محدثین گذرے ہیں کہ جنہوں نے اس بھی زیادہ منقح کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پیش کیا، ایک ہی کتاب کے اندر باب در باب احادیث کو جمع کیا، یہ تیسرا طبقہ ہے، اسکے بعد پھر ۲۰۰ھ کے بعد ایک چوتھا طبقہ شروع ہوتا ہے، اسکے اندر ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی ان کے مجموعہ میں موجود تھی، جو صحاح کے درجہ کی تھی وہ بھی، اور جو ضعاف کے درجہ کی تھی وہ بھی، اس چوتھے طبقہ میں امام احمد بن حنبل اور ابن ابی شیبہ کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

اسکے بعد پانچواں طبقہ بعض محدثین کا ایسا آیا کہ انھوں نے بہت زیادہ چھان بین

---

[1] امام مالک: پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی، (اسماء الرجال مشکوۃ) اور بعض نے ۹۰ھ اور بعض نے ۹۳ھ اور بعض نے ۹۴ھ بھی بیان کیا ہے (احوال المصنفین)

آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۷۹ھ میں ہوا۔ (اسماء الرجال مشکوۃ) اور بعض نے ۹۳ھ بیان کیا (سیرۃ الصحابہ ج ۸ ص ۲۹۰)

امام مالک کا نسب یہ ہے ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی المدنی۔

[2] نام حماد، اور ابو سلمہ کنیت تھی یہ بنو تمیم کے غلام تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے حاصل کی، البتہ اس وقت بصرہ دینی علوم کا مرکز تھا، اور ادب ولغت نحو اور صرف کا بھی چرچا تھا، تو اغلب یہی ہے کہ حماد نے وہ تمام علوم میں کمال حاصل کیا ہوگا، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سعید ابن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف وتالیف میں حصہ لیا، دوسری جگہ امام ذہبی نے دوسرے الفاظ کے ساتھ نحوی بھی لکھا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ نے تابعین کے کثیر گروہ میں سے استفادہ کیا، آپ کے فقہ وحدیث کے درس میں لاتعداد لوگوں نے استفادہ کیا، آپ کے مشہور تلامذہ ابن جریج اور امام ابو داود طیالسی وغیرہ ہیں، آپ کی وفات بصرہ میں ۱۶۷ھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہیں ابن حجر فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور آپ کی عمر ۸۰ سال ہوئی۔

کر کے ہر حدیث کے راویوں کے حالات معلوم کر کے اور بڑے اہتمام سے جدو جہد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں جمع فرمایا، ان میں محدثین کے سرخیل حضرت امام بخاریؒ ہے انہوں نے حضور کی احادیث صحیحہ کے انضباط کا بڑا اہتمام کیا، اسی طرح امام مسلمؒ نے بھی صحت کا پورا اہتمام کیا ہے، امام داؤد، امام ترمذی، اور امام نسائی وغیرہ نے اپنی کتابوں کے اندر صحاح کے ساتھ حسان کو بھی نقل کیا ہے، جیسا کہ ابوداؤد میں بعض روایتیں ضعیف ہیں، اور ابن ماجہ میں بھی کچھ روایات ضعیف ہیں، ورنہ امام بخاری اور امام مسلمؒ نے زیادہ سے زیادہ صحت کا اہتمام کیا ہے۔

بہر حال اسوقت ہمارے سامنے امام بخاری کی یہ بڑی مقدس اور بابرکت کتاب ہے جسکا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ"۔ بخاری کا یہ پورا نام ہے،

الجامع: یعنی وہ کتاب جس میں حدیث کے آٹھ ابواب ہوں، جو ہمارے طلباب اس کتاب میں پڑھینگے، امام بخاریؒ نے انہیں اس کتاب میں جمع کیا، جس کو یاد رکھنے کیلئے اس شعر کو یاد رکھنا بہت مفید ہوگا۔

سیر وآداب وتفسیر وعقائد فتن اشراط واحکام ومناقب

الصحیح: یعنی ایک دم صحیح احادیث کے جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے

المسند۔ یعنی مرفوع احادیث اس لئے کہ سند متصل کے ساتھ مرفوع روایات نقل کی ہیں اور جو آثار وغیرہ مذکور ہیں وہ ضمناً ہیں۔

المختصر: یعنی ساری صحیح احادیث بخاری شریف میں آگئی ہوایسا ضروری نہیں ہے

بہت ساری صحیح احادیث دیگر کتب احادیث کے اندر مذکور ہے۔ جیسا کہ امام بخاری کا قول ہے: ماأدخلت فی ھذا الکتاب الاماصح وترکت من الصحاح کئی لایطول الکتاب۔

من امور: اس سے آپ ﷺ کے اقوال مراد ہیں اور سنن سے افعال اور ایام سے غزوات اور ان تمام واقعات کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی عہد مبارک میں پیش آئے۔

بہر حال ان محدثین نے حضور ﷺ کی احادیث کو ہم تک پہنچانے کے لئے کیا محنتیں کی ہیں کہ خود حدیث کے فنون کو کتنی باریک بینی اور دقیق نظر سے علماء نے قریب ساٹھ (۶۰) شمار کیا ہے، اور جب فنون حدیث اتنے ہیں کتنا محدثین نے احادیث پر کام کیا ہوگا۔

بہر حال یہ امام بخاریؒ کی بڑی مقدس اور باعظمت کتاب ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو صحت کے ساتھ جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے.

حضرت امام بخاریؒ کی پیدائش کے متعلق دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ۱۲ / شوال ۱۹۴ھ کو بخارا میں آپ کی پیدائش ہوئی، اور دوسرا قول جو زیادہ صحیح ہے وہ یہ کہ ۱۳ / شوال ۱۹۴ھ بعد الجمعہ آپ کی ولادت ہوئی، امام بخاری کے والدین نیک صالح اور متقی پرہیزگار تھے، ان کی زندگی کا اثر امام بخاریؒ کو بچپن ہی سے مل گیا، جب امام بخاریؒ بچے تھے اسی وقت آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی

امام بخاری:

امام بخاری کی کنیت ابو عبد اللہ، اور لقب امیر المؤمنین فی الحدیث سلسلہ نسب اس طرح

ہے محمد، بن اسماعیل، بن ابراہیم، بن المغیرہ، بن بذدزبہ الجعفیؒ۔ عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں امام بخاری کا نسب بذوزبہ تک مذکور ہے، البتہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات کبریٰ میں بذدبہ کا بھی اضافہ فرمایا ہے، بذدبہ اور بذزبہ[1] کے احوال سے تاریخ خاموش ہے

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: بذوزبہ یہ فارسی لفظ ہے اور اہل بخارا یہ لفظ کاشتکار کے لئے استعمال کرتے ہیں یہ مغیرہ کے والد تھے، یہ مجوسی تھے، اور کفر کی حالت میں انتقال کر گئے، اور مغیرہ جو امام بخاری کے پردادا ہے بخارا کے حاکم ''یمان ابن اخنس جعفی'' کے ہاتھ پر اسلام لائے، یمان عربی النسل تھے قبیلہ جعفی سے تعلق تھا، اور امام بخاری کا خاندان فارسی خاندان ہے جس کے اراکین خسروان ایران کے عہد میں ممتاز عہدوں پر فائز تھے، مغیرہ پہلے شخص ہے جو حاکم بخارا یمان ابن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

امام بخاری کے ساتھ جعفی لگانے کی وجہ:

پہلے زمانہ میں تین نسبتیں چلتی تھی۔

ایک: نسبی نسبت۔

دوم: نسبت عتاقہ۔

سوم: نسبت ولاء

---

[1] بردزبہ: بفتح الباء الموحدۃ وسکون الراء المھملۃ وکسر الدال المھملۃ وسکون الزای المعجمۃ وفتح الباء الموحدۃ بعدھا ھاء

بذدبہ: بباء موحدۃ ثم ذال ثانیۃ معجمۃ ساکنۃ ثم باء موحدۃ مکسورۃ ثم ھاء (طبقات الشافیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲ ماخذ از کشف الباری ج ۱ ص ۱۳۱)

اباء، واجداد کی طرف نسبت نسبی نسبت کہلاتی ہے، اور معتق (آزاد کرنے والے) قبیلہ کی طرف نسبت، نسبت عتاقہ کہلاتی تھی، اور اسلام میں داخل کرنے والے کی طرف نسبت ولاء کہلاتی تھی۔

تو اس طرف نسبت کرتے ہوئے آپ جعفی کہلائے، اور احناف ولاء اسلام کے قائل ہیں، یہاں علماء موجود ہے، جو "ولاء" کو جانتے ہیں، اسی حق ولاء کی وجہ سے امام بخاری کو "الجعفی" کہا جاتا ہے۔

احناف کے یہاں خصوصاً یہ ولاء مسلم حق ہے، اور وہ ابوداؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، حضرت تمیم داری [1] کی روایت ہے: کہ ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

---

[1] حضرت تمیم داریؓ: نام ونسب تمیم نام ہے، ابو رقیہ کنیت داری نسبت ہے پورا سلسلہ نسب یہ ہے تمیم ابن اوس بن خارجہ ابن سود بن خزیمہ بن ذراع بن عدی بن الدار بن ہانی بن حبیب بن نمارہ بن لخم بن عدی بن عمر بن سبا، ابن ہشام نے عمرو وسبا کے درمیان دو ایک نام اور بڑھاتے ہیں شام کے رہنے والے تھے لخم سے ہی تعلق تھا اور مذہباً عیسائی تھے، لخم وجذام یمن کے، رہنے والے تھے جو شام میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے (اصابہ، استعیاب، ابن سعد) ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ عہد نبوی کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ میں رہے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد میں فتنہ فساد شروع ہوا تو آپ نے باول نخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن شام چلے، آپ جب شام سے مدینہ آئے تو آپ ساتھ میں کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے اور قندیلیں مسجد نبوی میں لٹکائی اور جب شام ہوئی تو آپ نے قندیلیں جلائیں، اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور قندیلوں کو روشن دیکھ کر پوچھا کہ یہ روشنی کس نے کی ہے؟ تو صحابہ کرامؓ نے حضرت تمیم داریؓ کا نام بتایا تو آپ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دی اور فرمایا کہ اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیم داری سے اس کا نکاح کر دیتا اتفاق سے نوفل بن حارث موجود تھے انھوں نے اپنی بیوہ بیٹی ام مغیرہؓ کو پیش کیا آپ نے اسی مجلس میں نکاح کرلیا۔ وفات: ۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور تہذیب کے قول کے مطابق مقام جیرون میں مدفون ہوئے اور صاحب اصابہ کے قول کے مطابق جبرون کے ساتھ منقول ہے۔ آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ ایک شخص نے کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہی اس کا مولیٰ ہے، اس کی زندگی میں بھی اور اسکی وفات کے بعد بھی۔[1] گویا اسی حدیث سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ حق ولاء، اسی آدمی کو ملیگا جسکے ہاتھ پر انسان نے اسلام قبول کیا ہے۔ مغیرہ تو عجمی النسل تھے، عربی النسل نہیں تھے، یمان جعفی عرب کے مشہور قبیلہ "جعفی" سے نسبت رکھتے ہیں، مغیرہ نے چونکہ انکے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اسی وجہ سے امام بخاریؒ اور انکے اجداد کو جعفی کہا جانے لگا، یعنی جن کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا انہیں کے خاندان سے ان کی نسبت جوڑ دی گئی۔

ایک شبہ کا جواب:

آپ کی کنیت، ابوعبداللہ ہے، حالانکہ امام بخاریؒ کی کوئی اولاد نہیں تھی، پھر کیسے ابو عبداللہ کہلائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

(ماقبل صفحہ کا حاشیہ) صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھی جس کی نسبت سے آپ کی کنیت ابورقیہ ہے۔ اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصریٰ میں تھا قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی طرف منتقل ہوگئی اس لئے قتادہ کا قول ہے "کان من علماء اهل الكتابين" یعنی آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء میں تھا بعض لوگوں نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابی بن کعبؓ کو اور عورتوں کا امام تمیم داریؓ کو مقرر کیا، چونکہ آپ متاخر اسلام تھے اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں، مسند میں ۱۲ احادیث آپ کی سند سے درج ہیں۔ (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۳۶۹)

[1] عن تميم الداري انه قال يا رسول الله قال يزيد ان تميما قال يا رسول الله ما السنة في الرجل يسلم على يدي الرجل من المسلمين قال فهو اولى به حيا و ميتا او كما قال رواه ابو داؤد في سننه حديث نمبر ۳۲۲۸

کیا تھا یا رسول اللہ! آپ کی سب بیویوں کی کنیت ہے، میری کوئی کنیت نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بھانجے "عبد اللہ" کے نام پر کنیت رکھ لو، معلوم ہوا کہ اولاد ہی کے نام پر کنیت رکھنا ضروری نہیں، پس ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے کسی رشتہ دار کے لڑکے کے نام پر اپنی کنیت رکھی ہو، یا ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہو، جس کا نام عبد اللہ رکھا ہو پھر اس کا بچپن میں انتقال ہو گیا ہو۔

البتہ مغیرہ کے لڑکے ابراہیم ان کے حالات تراجم میں دستیاب نہیں ہیں کہ وہ کون تھے کیا تھے، لیکن امام بخاریؒ کے والد اسماعیل یہ خود ثقہ محدثین میں سے ہیں، چنانچہ ابن حبان نے اپنی کتاب "الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اور امام ابن احبان کا اپنی کتاب میں نقل کر دینا یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ روای ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت حماد ابن زید[1] اور امام مالکؒ یہ دونوں بزرگوں سے اسماعیلؒ نے

---

[1] حماد ابن زید: حماد نام اور ابو اسماعیل کنیت تھی والد کا نام زید تھا، جو جریر ابن حازم کے خاندان کے غلام تھے آپ کی ولادت وطن بصرہ میں ۹۸ھ میں ہوئی ان کی امامت فی الحدیث اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق ہے، آپ کے شیوخ انس ابن سیرین، ثابت البنانی سلمہ ابن دینار وغیرہ ہیں۔ تلامذہ: میں جلیل القدر تبع تابعین میں سے ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے عبد الرحمن ابن مہدی علی بن مدنی عبد اللہ ابن مبارک ابن وھب سفیان ابن عیینہ سلیمان ابن حرب وغیرہ ہیں۔

کتابت حدیث: مشہور تابعی ایوب سختیانیؒ کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے احادیث کو کوئی نہیں لکھتا تھا، ابن خیثمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ ابن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے؟ تو فرمایا کہ ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے حصول علم کے بعد آپ کی بینائی بھی جاتی رہی لیکن اس کا اثر اپنے علم و فضل پر نہیں آنے دیا علامہ نووی فرماتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں جن کی جلالت شان اور اعلیٰ مرتبہ پر سب کا اتفاق ہے ابن مہدی فرماتے ہیں کہ اپنے اپنے زمانے کے چار امام ہیں کوفہ میں ثوری حجاز میں مالکؒ شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد ابن زید۔ (العبر ج ۱ ص ۲۷۰)

روایت کی ہے، پتہ چلا کہ یہ دونوں بزرگ اسماعیل کے استاذ ہیں، امام بخاریؒ نے رجال پر جو کتاب لکھی ''التاریخ الکبیر'' اس میں اپنے والد محترم اسماعیل کے بارے میں مذکورہ دو شیخ کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے مصافحہ کا بھی ذکر کیا، گویا ان کی ملاقات عبداللہ ابن مبارک سے ثابت ہے، اس سے پتہ چلا کہ آپ کے والد محترم بھی ثقہ محدثین میں سے تھے، حافظ ذھبیؒ امام صاحب کے والد محترم کے بارے میں لکھتے ہیں ''کان ابو البخاری من العلماء الورعین تقوی۔'' تقویٰ اور ورع کا یہ عالم تھا کہ انتقال کے وقت کثیر مال ترکہ میں چھوڑا لیکن فرماتے تھے کہ ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں ہے، ایسے طیب اور حلال مال امام بخاری کی پرورش میں استعمال ہوا، ظاہری بات ہے کہ جس کے پیٹ میں اتنے حلال کمائی کے لقمے پہنچے ہو اللہ تعالیٰ اس کو اتنے اونچے مرتبہ پر پہنچایگا ہی، امام بخاری اس درجہ پر پہنچے کہ دنیا بھر میں ان کی کتاب کو ''اصح الکتب'' بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کہا گیا۔

امام بخاری کی ولادت:

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ۱۲/ شوال ۱۹۴ھ کو ہوئی، جبکہ راجح قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۳/ شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ بخارا میں ہوئی، آپکی ولادت کے بعد کچھ ہی عرصہ میں والد محترم کا انتقال ہو گیا تو تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی، ادھر اسی بچپن میں امام بخاری کی بینائی زائل ہو گئی، جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا وہ بڑی عبادت گذار اور خدا رسیدہ خاتون تھی، انہوں نے اللہ سے دعائیں کی، تو ایک مرتبہ رات کو خواب میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو انہوں نے بشارت سنائی کہ تمہاری

دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی ہے، علامہ تاج الدین سبکیؒ نے لکھا ہے کہ گرمی ودھوپ میں طلب علم کیلئے سفر سے پھر دوبارہ بینائی جاتی رہی خراسان پہونچے کسی نے سر کے بال صاف کرانے اور گل خطمی کے ضماد کو لگانے کا مشورہ دیا، اس سے بینائی پھر واپس لوٹ آئی

مکتب کی تعلیم:

اللہ تعالی نے امام بخاریؒ کو بچپن ہی سے غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی تھی، شروع میں والدہ نے ان کو مکتب میں قرآن کریم حفظ کرنے کیلئے بٹھایا، امام بخاریؒ خود ہی فرماتے ہیں ''الهمت حفظ الحديث'' یعنی میں مکتب میں قرآن مجید پڑھتا تھا، اس وقت اللہ تبارک وتعالی نے میرے قلب پر القاء فرمایا کہ میں حدیثیں یاد کروں، چنانچہ جب مکتب سے فارغ ہوئے دسویں سال میں قدم رکھا، تو تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا، اور آپ نے اتنی حدیثیں حفظ کرلی کہ گیارہ سال کی عمر میں ایک بہت بڑے محدث امام داخلیؒ کے درس میں جانے لگے۔ اور رفتہ رفتہ اللہ نے احادیث واسانید سے اتنی مناسبت عطا فرمادی کہ امام بخاریؒ خود ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت محدث داخلیؒ نے ایک حدیث بیان کی، اور اسکی سند یوں پڑھی ''سفيان عن ابى الزبير عن ابراهيم'' تو امام بخاریؒ نے استاذ محترم سے کہا کہ ''ابو الزبير لم ير ابراهيم'' یعنی ابوالزبیر نے ابراہیم سے کوئی روایت نقل نہیں کی، امام داخلیؒ نے آپ کی بات تسلیم نہیں کی، اور اصل کتاب دیکھنے کیلئے مکان تشریف لے گئے، اور اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور باہر آکر فرمایا، میں نے جو کہا تھا غلط تھا، صحیح آپ

بتلائیں؟ امام بخاریؒ نے کہا کہ صحیح یہ ہے، زبیر ابن عدی تھے نہ کہ ابوزبیر، امام داخلیؒ یہ سن کر حیران رہ گئے، اور امام بخاری کی تصویب کی، یہ واقعہ امام موصوف کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے، جب آپ سولہ سال کے ہوئے تو عبداللہ ابن مبارکؒ کی تمام کتابیں یاد کرلی، اور امام وکیع[1] کی کتابیں بھی ازبر کرلیں، جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے کام لینا چاہتے ہیں تو بچپن ہی

حضرت وکیع بن جراح: نام ونسب: وکیع اور ابو عبدالرحمن الرواسی کنیت تھی، پورا سلسلہ نسب یہ ہے کہ وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی ابن الفرس ابن سفیان بن الحارث بن عمرو ابن عبید بن رواس بن کلاب ابن ربیعہ بن عامر ابن صعصعہ قبلہ قیس عیلان کی ایک شاخ ہے رواس کی نسبت سے رواسی کہلاتے ہیں۔ ولادت، امام وکیع ۱۲۹ھ بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے مگر بغدادی نے سند امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی تو فرمایا "ولدت سنۃ ثمان عشرین ومائۃ" کو میری ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلا کوفی تھے مگر بعض کا خیال ہے کہ نیشاپور کے استوا نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے۔

حصول علم: جب ہم امام وکیع کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے حصول علم کے لئے کتنی مشقتیں جھیلی ہوگی، مگر اس پکی لگن اور جذبہ صادق نے انہیں اعلی مقام پر فائز کیا چند اساتذہ کے نام یہ ہے: ہشام بن عروہ، سلیمان الاعمش، عبداللہ ابن عون، ابن جریج، اوزاعی سفیان ثوری، جریر ابن حازم وغیرہ۔ صاحب تاریخ بغداد نے ج ۱۳ ص ۱۷۴ لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق امام وکیع امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ارشد تلامذہ ابو یوسف اور امام ابوزفرؒ سے بھی سماعت حدیث کی تھی۔

تلامذہ: امام وکیع کے تلامذہ میں یحیٰی ابن معین، اور عبداللہ ابن مبارک، احمد ابن حنبل عباس بن غالب الوراق ابراہیم ابن سعد الجوہری وغیرہ اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ ابراہیم ابن عبداللہ القصار آخری شاگرد ہیں۔

وفات: ۱۹۶ھ میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہوگئی اس لئے وطن کا قصد کیا لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا اور کوفہ اور مکہ کے درمیان مقام فید میں پہونچے تھے کہ پیغام اجل آگیا اور علم وفضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگیا اس وقت آپ کی عمر ۶۸ سال تھی۔ آپ کی تصنیف میں صراحت کے ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ (۱) مصنف ابی سفیان (وکیع ابن جراح) کتاب السنن۔ (المستطرف ص ۳۵۔ سیر الصحابہ ج ۹ ص ۳۲۵)

سے ایسے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، سولہ سال کی عمر میں دوسرے محدثین کے پاس علم حاصل کرنا شروع کیا، اور اس غرض کیلئے مختلف جگہوں کے سفر اختیار کئے اور مختلف علاقوں میں تشریف لے گئے، واقعہ اس طرح ہوا کہ امام صاحب بخارا کے اندر پڑھ رہے تھے، کہ ان کی والدہ ماجدہ نے حج کو جانے کا ارادہ کیا، یہ چھوٹے تھے، اور آپ کے ایک بڑے بھائی ''احمد ابن اسماعیل'' تھے والدہ ان کو ساتھ لے کر حج کو تشریف لے گئیں، اور امام بخاریؒ بھی ساتھ چلے۔

قوت حافظہ اور حدیث کا شوق:

ایک مرتبہ علامہ بیکندیؒ نے امام بخاری سے فرمایا کہ تم میری تصنیف پر نظر ڈالو، اور جہاں غلطی ہو اصلاح کر دو، تو کسی نے بڑے تعجب سے کہا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ یعنی علامہ بیکندیؒ امام العصر ہو کر اس سے اپنی کتاب کی اصلاح کیلئے کہہ رہے ہیں تو علامہ بیکندیؒ نے فرمایا کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام صاحبؒ کو بچپن میں ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں، حافظ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسماعیل کا بیان ہے کہ ہم امام صاحب کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ لکھا کرتے تھے، اور امام صاحب لکھتے نہیں تھے، جب رفقاء درس نے آپ کو بار بار بطور طعن کے کہا کہ آپ خواہ مخواہ وقت ضائع کرتے ہیں، لکھتے نہیں ہیں جب اس طرح کئی بار ہوا تو امام صاحب کو غصہ آگیا اور فرمایا اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لاؤ، پھر امام صاحبؒ نے منھ زبانی ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا، تو

سب حیران ہو گئے، اس وقت لکھی گئی احادیث کی تعداد پندرہ ہزار تھیں، پھر تو وہ لکھنے والوں نے اپنے نوشتوں کی تصحیح کیلئے امام بخاریؒ کے حفظ پر اعتماد کرنے لگے۔

حج سے واپسی:

حج کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی احمد ابن اسماعیل بخارا واپس آگئے، مگر امام صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ حج کے بعد وہیں رکنا چاہتا ہوں، کیونکہ حجاز علم حدیث کا مرکز ہے، اور بڑے بڑے مشائخ یہاں موجود ہیں، تو میں ان مشائخ سے علم حدیث حاصل کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ امام صاحبؒ وہاں رک گئے، اور حج کے بعد حجاز کے مشائخ سے علم حاصل کیا، اور پھر حجاز ہی سے نہیں بلکہ اس زمانہ میں علم حدیث کے جو بڑے بڑے مراکز تھے، مثلاً: شام، مصر، الجزائر، بصرہ، کوفہ، اور بغداد، وغیرہ، ان تمام علاقوں کے سفر کئے، خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے علم حاصل کرنے کیلئے شام، بصرہ، الجزائر، کے دو سفر کئے، بصرہ چار مرتبہ گیا، اور کوفہ اور بغداد تو اتنی بار گیا کہ مجھے یاد نہیں، علمی اسفار کو محدثین اصطلاح میں رحلہ کہتے ہیں۔

رحلہ: ''اس سفر کو کہتے ہیں جو طلب حدیث کیلئے کیا جائے''۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں اس کا خاص ذوق رہا ہے، امام بخاری بھی اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے، چونکہ اسلامی فتوحات کی وجہ سے محدثین دور دور پھیلے ہوئے تھے، تو وہ ان کے پاس پہونچ کر احادیث کا سماع فرماتے تھے، حضرات صحابہ کرامؓ نے ایک ایک حدیث کیلئے ایک ایک ماہ کی مسافت کا سفر طے کیا ہے، چنانچہ ''بخاری شریف'' میں ہے۔ رحل جابر بن عبداللہ مسیرۃ شہر الی

عبداللہ ابن انیس فی حدیث واحد۔ (بخاری کتاب العلم باب خروج فی طلب العلم)
قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفه لیتفقهوا فی الدین
(سورة التوبہ آیت ۱۲۲) اس آیت کریمہ میں طلب علم اور تفقہ فی الدین کے لئے نکلنے
اور پھر اس کی تبلیغ و تعلیم کی تاکید کی گئی ہے، مشہور بزرگ ابراھیم ابن ادھم کا ارشاد ہے،
اصحاب حدیث کے سفر کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس امت سے بلاؤں کو اٹھالیتے ہیں
(فتح المغیث۔ ج ۲ ص ۸۶)

امام بخاری کے اساتذہ کرام:

مکہ مکرمہ میں آپ حج کے بعد ٹھہر گئے، طلب علم کیلئے مکہ مکرمہ میں آپ کے اساتذہ کرام: ابولولید احمد بن محمد ازرقی، امام حمیدی، حسان ابن حسان بصری، خلاد بن یحیٰی، اور ابو عبدالرحمن مقری، رحمھم اللہ، تھے، اور جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور محدثین عبدالعزیز اویسی ایوب ابن سلیمان بن بلال اور اسماعیل ابن ابی اویس رحمھم اللہ، وغیرہ سے استفادہ کیا، اسی عمر میں آپنے ایک کتاب جس کا نام "قضایا الصحابة والتابعین" لکھی، اور اسی سفر میں مدینہ طیبہ کی چاندنی راتوں میں "التاریخ الکبیر" کا مسودہ لکھا، یہ امام بخاری کی دوسری تصنیف ہے، پھر امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے، وہاں ابو عاصم النبیل محمد ابن عبداللہ انصاری بدل ابن المحبر، عبدالرحمن بن حماد الشعیثی محمد بن عرعرہ، اور عرم ابن عاصم کلابی رحمھم اللہ، وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔

دنیا سے بے رغبتی و استغناء:

جب امام صاحب کے والد کا انتقال ہوا تو والد صاحب کافی مال چھوڑ کر گئے تھے، جن میں سے پچیس ہزار درھم امام صاحب کے حصہ میں آئے تھے، ۲۵ ہزار درھم اس زمانہ کے لحاظ سے بڑی رقم تھی، امام صاحب نے سوچا کہ اگر وہ خود تجارت و معاشی مشغلے میں لگتے تو علمی مشغلے سے دوری ہو جانے کا اندیشہ تھا، لہذا انہوں نے چاہا کہ یہ رقم کہیں مضاربت پر لگا دیں، تو ایک آدمی کو وہ رقم دیدی کہ بھئی! یہ میں آپ کو مضاربۃً دیتا ہوں، آپ اس سے تجارت کر کے جو نفع ہوا کرے وہ مجھے دے دیا کریں، وہ اللہ کا بندہ وہ پیسے لیکر بیٹھ گیا نہ نفع دیا نہ اصل واپس کیا، ساری رقم لے کر بیٹھ گیا، جس شہر میں یہ رہتا تھا وہاں کا حاکم امام بخاریؒ کی عزت کرتا تھا، تو کسی نے امام صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس حاکم کو ایک خط لکھ دیجئے، وہ آپ کے پیسے اس سے نکال دے گا، تاکہ اصل رقم تو مل جائے، اور شرعی اعتبار سے بھی درست ہے، لیکن امام صاحبؒ نے فرمایا: کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر آج میں اپنا جائز حق وصول کرنے کیلئے اس حاکم کی مدد حاصل کرونگا تو اس کا میری گردن پر ایک احسان ہو جائے گا، اور ان حکام کا مزاج یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے ساتھ کوئی احسان مفت نہیں کرتے، اگر کسی کے ساتھ کوئی احسان کیا ہے تو کبھی نہ کبھی اس کی قیمت وصول کرتے ہیں، تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے، اس لئے میں ان کا احسان اور مدد لینا نہیں چاہتا، اب بات یہ طے ہوئی کہ اس سے بات کر کے حسب سہولت وہ ماہانہ قسط وار اصل رقم دے دے، خیر وہ اس بات پر راضی ہوا کہ ماہانہ دس درہم دے سکتا

ہوں، اب کہاں پچیس ہزار درہم اور کہاں ماہانہ دس درہم، لیکن امام بخاریؒ نے فرمایا چلو بھائی ! دس درہم ہی دے دینا جھگڑا کون کرے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ماہانہ دس درہم بھی کچھ عرصہ کے بعد دینا بند کر دیا، ساری رقم اس طرح ضائع ہوگئی، لیکن حاکم کا احسان لینا گوارہ نہیں کیا، تا کہ اپنے استغناء میں کوئی فرق نہ آئے، اب نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بظاہر ذریعہ آمدنی نہ رہا۔

حصول علم کیلئے محنت ومشقت کا جاری رکھنا:

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، اپنی کتاب ''انعام الباری'' میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ انکے ساتھی عمرو ابن حفص اشتر فرماتے ہیں کہ امام بخاری بصرہ کے مشائخ سے علم دین حاصل کرنے کیلئے تشریف لائے اور درس میں برابر شرکت کرتے رہے، اچانک دیکھا کہ درس سے غیر حاضر ہیں جب ایک دو دن ہو گئے تو ہمیں تعجب ہوا کہ آپ کبھی درس کا ناغہ نہیں کرتے تھے، تو خیال ہوا کہ شاید شدید بیمار ہوں، تو ہم عیادت کی غرض سے انکے گھر پہونچے، تو معلوم ہوا کہ ایک جوڑا کپڑے کا پہنا کرتے تھے، وہی جوڑا جب ضرورت ہوتی دھو لیتے تھے، اور پہن لیتے تھے، لیکن وہ دھلتے دھلتے اتنا پھٹ گیا کہ اب ستر عورت کیلئے کافی نہ رہا، اس واسطے گھر سے نکلنے سے معذور تھے، تو فرماتے ہیں کہ ہم نے کچھ کپڑے کا انتظام کیا اس کے بعد امام صاحب درس میں آنے لگے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے: ہیں کہ میں اپنے والد ماجد (مفتی شفیع صاحب) سے سنا کہ حضرت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیری) فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی چائے پی پی کر محدث بنا کرتا تو میں امیر المومنین فی

الحدیث ہوتا، اور امام بخاریؒ حقیقۃً اپنے زمانہ کے امیر المومنین فی الحدیث تھے، مقصد یہ تھا کہ یہ علم کیا چاہتا ہے؟ یہ علم کچھ قربانی چاہتا ہے، محنت اور مشقت چاہتا ہے۔

علم میں نور کیسے آتا ہے:

علم میں نور اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک طالب علم کو عبادت کا ذوق نہ ہو اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ ہو اگر علم عبادت کے ذوق سے خالی اور گناہوں اور معصیتوں سے آلودہ ہے وہ علم جہل ہے

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ راست
وہ مدرسہ وبال ہے جہاں یادِ حق نہ ہو

علم خاص طور سے دین کا علم: اس وقت تک بارآور اور اس میں نور و برکت پیدا نہیں ہوتی جب تک عبادت کا ذوق نہ ہو اور معصیتوں سے اجتناب کا مکمل اہتمام نہ ہو، یہ دونوں چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ کو بحصہ وافر عطا فرمائی تھی، اول تو امام بخاریؒ کی ساری زندگی ہی عبادت تھی جس آدمی نے اپنا گھر بار اور اپنا کاروبار اپنی دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ رکھا ہو صرف اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کی خدمت کرلے، تو اس کا ہر لمحہ عبادت ہی عبادت ہے، حدیث کا سننا سنانا محفوظ کرنا، تصنیف وتالیف کرنا ہر چیز عبادت تھی، اسکے باوجود فضائل اعمال ونوافل کا اہتمام، اور تلاوت قرآن کریم کا اشتغال یہ امام بخاری کی زندگی میں واضح نظر آتا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں امام بخاریؒ ایک قرآن تو تراویح میں ختم کرتے تھے، معمول یہ تھا کہ ہر رکعت میں بیس آیتیں تلاوت کرتے تھے، تو اس

طرح پورے رمضان کی تراویح میں ایک قرآن مجید ختم ہوتا، اسکے علاوہ روزانہ اتنی تلاوت کا معمول تھا کہ ہر تیسرے دن ایک قرآن پورا ہوجاتا تھا۔

امام بخاریؒ کے ایک شاگردوخادم ''محمد ابن ابی حاتم الوراق'' ہیں، وَراق، یہ روق سے نکلا ہے، جسکے معنی کاغذ کے ہوتے ہیں، اور وراق کا لفظ قدیم زمانہ میں تین قسم کے آدمیوں پر اطلاق ہوتا تھا۔

(۱) کتب فروش: جو کتابیں فروخت کرتا ہو۔

(۲) کباڑیہ: جو پرانی بوسیدہ قسم کی چیز فروخت کرتا ہوں خاص طور پر بوسیدہ کتابیں۔

(۳) وراق: بعض اوقات اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی بڑے مصنف کے ساتھ لگ گیا ہو، مصنف اس کو کچھ املاء کرادیتا ہو وہ لکھ کر نسخے بنا کر لوگوں میں فروخت کرتا ہے، اس کو بھی وراق کہتے ہیں، ''محمد ابن ابی حاتم یہ امام بخاری کے وراق تھے'' اور امام بخاری کی صحبت میں بھی کافی رہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو امام بخاری کے بہت سے فضائل سے روشناس فرمایا: ایک رات کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام بخاری کے وہاں سویا تو میں نے دیکھا کہ آپ سونے کیلئے لیٹ گئے، اور تھوڑی دیر کے بعد اچانک دیکھا کہ آپ اٹھے اور قریب میں رکھا ہوا چراغ جلایا، اور کاپی اٹھا کر لائے اس میں کوئی حدیث وغیرہ لکھی اس کو پڑھا کچھ نشان لگایا، اور پھر رکھکر چراغ گل کیا، پھر لیٹ گئے، پھر آدھ پون گھنٹہ گزرا ہوگا پھر اچانک دیکھا کہ آپ اٹھے چراغ جلایا، اور وہی صحیفہ نکالا کچھ نشان لگایا پڑھا، پھر رکھ دیا پھر لیٹ گئے، اسی طرح پوری رات ہوتا رہا، یہاں تک کہ سحر کا وقت ہونے لگا، یعنی: فجر سے پہلے تو اس وقت اٹھے اور تہجد کی بارہ رکعتیں پڑھی، اس سے

معلوم ہوا کہ ایک طرف اشتغال بالعلم جاری ہے، رات کو لیٹتے وقت بھی ذہن پر علم ہی کی باتوں کا خیال مسلط ہے۔ اور عبادت کے وقت عبادت۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ جیسا مولوی ہوتا تو یہ تاویل کرتا کہ "تدارس فی العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیاءھا" کہ رات میں علم کے کاموں میں مشغول رہا ہوں تو حدیث کی رو سے یہ تہجد پڑھنے سے بھی افضل کام ہے، لہذا تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت، رات میری اس کام میں گذری ہے، اور اسکی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی، لہذا سو جاؤ، اور ہم لوگوں کو یہ حدیث بھی بہت یاد ہوتی ہے "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" اور یہ یاد اس وجہ سے ہے اس سے بڑی چھٹی مل رہی ہے، کہ فقیہ بن جاؤ، اور فقیہ بن کر پڑھنے لکھنے میں لگ جاؤ تو عبادت سے چھٹی یاد رکھو، اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہے کہ عبادت بالکل ترک کردے، اور فقیہ بن کر بیٹھ جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ فقیہ ہی اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کچھ نہ کچھ ذوقِ عبادت نہ ہو، یہاں جس فقیہ اور جس عابد کا مقابلہ ہو رہا ہے وہ اس عابد کا ہے، جس نے اپنا سارا مشغلہ صبح سے شام تک عبادت کو بنایا ہوا ہے، نفلیں ہی پڑھ رہا ہے، اور روزے ہی رکھ رہا ہے، اور ایک وہ شخص ہے جس نے فقہ کو اپنا اصل مشغلہ بنایا ہوا اور اسکے ساتھ جو سنتیں اور نوافل ہیں ان کا اہتمام بھی کرتا ہے، لیکن اپنے آپ کو متفرغ اللعبادۃ نہیں کیا، وہ ہے مراد یہ نہیں کہ اب فقہ پڑھ لیا تو نہ تہجد کی ضرورت نہ اشراق نہ چاشت نہ اوابین و نوافل کی ضرورت، ہمارے جتنے بزرگ فقہاء ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو عبادت کے ذوق سے خالی ہو، تو باوجود اس علمی اشتغال کے امام بخاریؒ کو عبادت کا ذوق تھا، اللہ ہم کو بھی نصیب فرمائیں، فی زماننا بھی کئی ہمارے بزرگ فقہاء موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں

برکت عطا فرمائے، اور ان کا سایہ عاطفت تادیر قائم فرمائے، جن کے شب و روز کے مشاغل ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

امام بخاری کے خادم وراق ہی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں، اور امام بخاریؒ آپ کے پیچھے چل رہے ہیں، جہاں آپ کے قدم مبارک پڑ رہے ہیں وہیں امام بخاریؒ کے قدم پڑ رہے ہیں، اس سے امام بخاریؒ متبع سنت ہونا ظاہر ہوتا ہے، فربریؒ[1] فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں، این ترید؟ میں نے کہا ارید محمد ابن اسماعیل، آپ ﷺ نے فرمایا "اقرءمنی السلام"۔ اللہ اکبر کیا شان ہے امام بخاریؒ کی اسکے باوجود گناہوں سے بچنے کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں کہ جب میری رب سے ملاقات ہوگی تو مجھے امید ہے کہ میرے اعمال نامہ میں کسی کی بھی غیبت کا گناہ نہیں لکھا ہوگا[2] یعنی کسی کی بھی غیبت کا حساب مجھ سے نہیں لیا جائے گا، پتہ چلا کہ زندگی میں کبھی کسی کی غیبت کی ہی نہیں تھی

---

[1] شیخ ابو عبداللہ محمد ابن یوسف فربریؒ: شیخ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربریؒ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ارباب کمال سے علوم دینیہ کی تحصیل کی اور حدیثوں کا سماع کیا علی ابن خشرم سے حدیثیں سنیں، امام بخاریؒ سے دو مرتبہ بخاری کا سماع کیا ایک مرتبہ اپنے وطن فربر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ سے ۲۵۵ھ تک تین سالوں میں بخارا میں کیا بلکہ صاحب "مجمع بحار الانوار" کے بیان کے مطابق تین مرتبہ صحیح بخاری کا سماع کیا ہے واضح رہے کہ امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے گویا فربری کا سماع امام بخاری سے بالکل آخر عمر میں ہوا ہے۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "وکان ورعا ثقۃ" آپ صاحب ورع اور ثقہ تھے، ۸۹ سال کی عمر میں ۳ شوال ۳۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا فربر: فاء کے کسرہ اور فتحہ راء کے فتحہ اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے یہ دریائے جیحون کے کنارے بخارا سے متصل ایک بستی کا نام ہے۔ (کشف الباری ج ا ص ۱۳۱)

[2] انی لارجو ان القی اللہ ولا یحاسبنی انی اغتبت احدا، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۹

جب یہ سنا تو کسی نے بطور اعتراض کے کہا کہ حضرت آپ کی ''تاریخ کبیر'' تو ساری غیبت سے بھری پڑی ہے، التاریخ الکبیر، میں رجال کے حالات ہے، اس میں راویوں کی تصدیق بھی کرنی پڑتی ہے اور ان کے بارے میں کہنا پڑتا ہے کہ کسی کا حافظہ اچھا نہیں کسی کا معاملہ کچھ ہے، تو امام بخاری نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا جو کچھ ہے وہ کسی امام کی جرح وتعدیل کی حکایت ہے، اگرچہ اس کا جواب یہ بھی ہے ضرورت کے خاطر اور لوگوں کو کسی کے شر سے متنبہ کرنے کیلئے اگر اس کی کوئی برائی بیان کی جائے تو وہ غیبت نہیں ہوتی، علماء کرام نے فرمایا کہ امام بخاری کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں اور دوسری حضرات کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں ایک فرق اور بھی ہے کہ امام بخاریؒ کے الفاظ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بہت محتاط ہیں، یہ کہنے کے بجائے کہ یہ ضعیف ہیں کہدیں گے، تکلموا فیہ کہہ دے گے، جیسے بعض مرتبہ دوسرے علماء کہہ دیتے ہیں، رجل کذاب، اس قسم کے الفاظ امام بخاریؒ کی کتاب التاریخ الکبیر میں نہیں ملتے، غیبت سے بچنا ایک مشکل کام ہے، کیونکہ بسا اوقات غیر شعوری طور پر بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے (آمین) تو جو آدمی اپنی زندگی کو غیبت سے بچا کر گذار دے وہ دوسرے معاصی کا ارتکاب کیسے کرے گا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم حدیث میں یہ مقام عطا فرمایا۔

صاحب مرقاۃ شارح مشکوۃ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ خود تو بغیر کھائے پیئے کئی کئی دن گذار دیا کرتے تھے اور کبھی صرف دو تین بادام کھا لینا بھی ان کے لئے کافی ہوتا تھا، لیکن دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کو ہر ماہ پانچ سو درھم کی آمدنی ہوتی تھی، یہ ساری رقم وہ فقراء و مساکین اور

طلبہ ومحدثین پر خرچ کردیا کرتے تھے، صاحب سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۵۲۔ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن محمد صیارفی، کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام کی باندی ان کے پاس سے گذری تو دوات کو ٹھوکر لگ گئی، اور روشنائی گر گئی، امام صاحبؒ نے باندی سے کہا کس طرح چلتی ہو باندی نے کہا کیا کروں کتابیں اتنی ہیں کہ چلنے کا راستہ ہی نہیں ہے، تو کیا کروں، یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا "اذھبی فقد اعتقتک" کسی نے کہا اے ابوعبداللہ اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کو ناراض کردیا، لیکن آپ نے اسے آزاد کردیا، امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس کام سے اپنے آپ کو راضی کرلیا، کیا تواضع اور انکساری تھی، امام بخاریؒ کی کہیں سے بھی حب جاہ اور حب مال کی بو نہیں آتی اور اسی کتاب میں صفحہ نمبر ۴۴۸ پر لکھا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے دو مرتبہ دعاء کی اور فوراً قبول ہوگئی، اسکے بعد سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اعمال کی جزاء دنیا ہی میں تو نہیں دی جارہی ہے، اس لئے میں اسکے بعد دنیا کیلئے کچھ مانگنا پسند نہیں کرتا۔

بیع وشراء اور امام بخاریؒ:

امام بخاریؒ نے کبھی کبھی تھوڑی سی بیع وشراء بھی کرلی ہے، شاید کسی مکان کی بات تھی ، یا کسی چیز کی تھی، اس کو بیچنا چارہے تھے، کچھ لوگ آئے اور کہا یہ ہمیں فروخت کردیں ہم آپ کو پانچ ہزار درہم نفع دیں گے، امام صاحب نے فرمایا: اچھا بھئی! ذرا سوچونگا کل جواب دونگا کل آنے سے پہلے ایک اور پارٹی آگئی، اس نے دس ہزار درہم نفع کی پیش کش کی لوگوں نے کہا کہ یہ تو بہترین موقع ہے، تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں ان پہلے والوں سے ابتدائی بات کرچکا ہوں تو لوگوں نے کہا کہ ابھی بیع تھوڑی ہوئی تھی، آپ نے خود ہی کہدیا تھا کہ کل

جواب دونگا، فرمایا کہہ دتو دیا تھا لیکن میرے دل میں کچھ نیت آگئی تھی کہ میں ان کو دے ہی دوں، لہذا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں پانچ ہزار درھم کی خاطر اپنی اس نیت کو خراب کروں گا، لہذا دس ہزار والوں کو رد کر دیا، اور پانچ ہزار والوں کو دے دیا۔

غیر ارادی فعل پر ندامت وصدمہ:

امام بخاریؒ تیر اندازی میں کمال درجے کے ماہر تھے، ہمیشہ تیر نشانے پر لگتا تھا، اور تیر اندازی کی مشق کرنے کا شوق بھی تھا، اور وہ شوق غالباً اس لئے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے تیر اندازی کی ترغیب دی ہے، اس واسطے مشغلہ بھی تیر اندازی کا اختیار کیا ہوا ہے، ایک دن تیر اندازی کیلئے نکلے ہوئے تھے، جنگل میں کسی ہدف پر تیر چلایا عام طور تو نشانہ بالکل ٹھیک بیٹھتا تھا کبھی غلطی نہیں ہوتی تھی، لیکن تھے تو بشر ہی، کسی شخص نے اپنی دکان یا مکان کے اگے نالے سے گذرنے کیلئے پل بنا رکھا تھا، امام بخاریؒ کا نشانہ اس روز خطا کر گیا، اور تیر اس پل کی میخ پر جا لگا جس سے میخ ٹوٹ گئی، تو امام بخاریؒ کو بہت صدمہ ہوا، اور آپ کے خادم وراق جو آپ کے ساتھ ہی تھے، آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ میرے تیر سے دوسرے کا نقصان ہوا، اس وجہ سے تیر اندازی چھوڑ دی اور فرمایا کہ میرا ایک کام کردو، اس پل کے مالک کو تلاش کرو اور اس سے میری طرف سے کہو کہ اس پل کی مرمت کرانے میں یا دوبارہ تعمیر کرنے میں جو کچھ خرچ آتا ہے وہ مجھ سے لے لے، اور اس کو دوبارہ تعمیر کرا دے، اور مجھے معاف کر دے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی انہوں نے جا کر پل کے مالک کو امام بخاری کا پیغام دیا تو پل کے مالک "حمید الاخضر" نے خواب میں کہا کہ ابو عبداللہ کو میری طرف سے سلام کہو، اور کہو جو کچھ ہوا ہے معاف ہے، اور میں اپنی جان و جائیداد بھی آپ پر قربان کرنے کیلئے تیار

ہوں امام بخاریؒ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور بطور شکریہ کے اس دن پانچ سو حدیثیں سنائی اور تین سو درہم صدقہ کئے، اور صاحب انعام الباری لکھتے ہیں کہ روزانہ تین سو درھم صدقہ کرتے تھے، اپنی غلطی کی تلافی کیلئے۔

صحیح بخاری کی وجہُ تالیف:

ابراھم ابن معقل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ ہم اپنے استاذ اسحاق ابن راھویہ کی مجلس میں تھے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا، "لو جمعتم کتابامختصرا سنن النبی ﷺ" مقدمہ فتح کے الفاظ یہ ہیں "لو جمعتم کتابا مختصر الصحیح سنۃ رسول اللہ ﷺ" تو اس قول کی وجہ سے میرے دل میں اس کتاب کی تالیف کا داعیہ پیدا ہوا۔

(کشف الباری ج ۱ ص ۱۵۴)

دوسری وجہ تالیف:

استاذ محترم کی بات سن کر ارادہ ہی پیدا ہوا تھا کہ ایک دن امام بخاریؒ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں اور امام بخاری نے اپنے آپ کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے پنکھا جھل رہے ہیں، اس انداز سے پنکھا جھل رہے ہیں کہ جیسے کوئی شخص کسی انسان کے چہرے پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے کے ذریعہ دور کر رہا ہو یہ خواب دیکھا اور اس کی تعبیر واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو اس مقام کیلئے منتخب فرمایا کہ وہ رسول ﷺ کی طرف

منسوب ہونے والی باتوں میں صحیح اور غیر صحیح کے درمیان فرق کریں، اور جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں انکو دفع کریں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا دفاع کریں اس خواب سے جو سابق ارادہ تھا اسکی مزید توثیق ہوگئی اور پھر امام بخاریؒ نے یہ کتاب تالیف فرمانی شروع کی اور تقریباً سولہ سال میں یہ کتاب مکمل کر لی اور بعض حضرات نے خطیب بغدادی کی سند سے پہلے والا واقعہ بیان کیا ہے۔

مقام تالیف:

اس میں روایتیں بظاہر متعارض نظر آتی ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ کتاب کس جگہ لکھی، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں لکھی، اور بعض میں آتا ہے مدینہ منورہ میں لکھی، اور بعض میں آتا ہے کہ بخارا میں لکھی، اس طرح مختلف روایتیں ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تالیف عرصہ دراز تک جاری رہی، البتہ ابتداء مسجد حرام میں ہوئی، تمبیض وتراجم وضع کرنے کا کام خاص طور سے مدینہ منورہ میں مکمل فرمایا، یہ بات زیادہ صحیح ہے، لیکن پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ یہ بات نہیں بتائی جاسکتی کہ کتنا حصہ کس جگہ تالیف کیا۔

تالیف کی ابتداء کب:

صحیح بخاریؒ کی تالیف کی ابتداء کب ہوئی، اور اختتام کب ہوا کتب رجال وتاریخ میں اس کی کوئی تصریح نہیں البتہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بعض واقعات سے اخذ کیا ہے کہ ۲۱۷ھ میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو جعفر محمود بن عمرو عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جب اپنی کتاب کی تالیف کی تو امام احمد بن حنبلؒ

یحیٰ ابن معین اور علی بن مدنیؒ کے سامنے اس کو پیش کیا، سب نے تحسین فرمائی، اور صرف چار احادیث میں اختلاف کیا، عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار میں بھی امام بخاری کی رائے راجح ہے ان میں سے یحیٰ ابن معین کا انتقال ۲۳۳ھ میں ہوا، علی ابن المدنیؒ کا انتقال ۲۳۴ھ میں ہوا اور امام احمد کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا ان تینوں ائمہ کے سامنے یہ کتاب جب ہی پیش ہوسکتی ہے جب کہ ۲۳۳ھ میں مکمل ہوگئی ہو اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں ہوئی ہے تو ۲۳۳ میں سے ۱۶ نکال لیں تو ۲۱۷ بچتے ہیں، لہٰذا کہا جائے گا کہ ۲۱۷ھ میں اس کی تالیف کا آغاز ہوا اس وقت امام صاحب کی عمر ۲۳ سال تھی، اور ۲۳۳ھ میں اس کو مکمل کیا، اس وقت امام صاحبؒ کی عمر ۳۹ سال تھی پھر امام صاحب اس کے بعد ۲۳ سال زندہ رہے۔

امام بخاری اہل عرب کی نظر میں:

امام بخاریؒ فارسی النسل تھے، آپ کو جعفی کہنے کی وجہ پیچھے بتلائی جاچکی، اور اہل علم کہتے ہیں کہ اہل عرب ساری دنیا کو (عجمی) گونگا سمجھتے ہیں اور حقیقۃً اہل عرب کو عربی النسل ہونے پر فخر کی سعادت حاصل ہے، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور نبی آخرالزماں محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کے اندر تشریف لائے اور وہیں تعلیم وتبلیغ فرمائی، لہٰذا اسلامی علوم کا پہلا سرچشمہ عرب ہے، اس وجہ سے اگر اہل عرب کو اپنے اس مقام پر ناز ہو تو کچھ زیادہ بعید بھی نہیں کہ تھوڑے بہت ناز کی گنجائش ویسے بھی موجود ہے، لیکن بسا اوقات یہ ناز تھوڑا بھی بہت ہو جاتا ہے، اہل عرب کسی غیر عرب کو خاطر میں نہیں لاتے اور آسانی سے کسی آدمی کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے پہلے زمانے میں تو دیانت وامانت زیادہ تھی، اس واسطے یہ حدود میں رہتے تھے لیکن اب تو بہت ہی بڑھ گئے، امام بخاریؒ بخارا کے رہنے والے عجمی اور ان کی

چوتھی پانچویں پشت کے اندر غیر مسلم تو ایسے آدمی کو اہل عرب اپنا امام مانیں یہ بہت ہی بعید بات ہے، تو اہل عرب کسی کو اپنا پیشوا یا امام مان لیں یہ بہت مشکل کام ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام بخاریؒ کو وہ مقام بخشا کہ سارے عرب اور سارا عالم اسلام انکی جلالتِ قدر اور حدیث میں ان کے بلند مقام کا نہ صرف معترف ہوا بلکہ سر جھکا دیا کہ ہاں جو اس نے کہدیا وہ ٹھیک ہے، اور یہ مقام کیسے حاصل ہوا وہ بھی پہلے بتلا دیا۔

امام بخاری کی آزمائش کا دور:

امام بخاریؒ کو جو محبوبیت ومقبولیت حاصل تھی، یہ بات حاسدین سے برداشت نہیں ہوئی، اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص علم وفضل کے کسی بلند مقام پر فائز ہوتا ہے تو جہاں اسکے مداحین اور محبین اور استفادہ کرنے والے پیدا ہوتے ہیں تو وہاں اسکے حاسدین اور بغض رکھنے والے بھی پیدا ہوتے ہیں حاسدین اور مبغضین ہر دور میں آفتاب پر تھوکنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن حق ہمیشہ اوپر ہی رہتا ہے، اور ساری تاریخ کا مطالعہ کرنے سے کوئی بھی انسان ایسا نظر نہیں آئے گا جس کے پیچھے کچھ نہ کچھ حاسدین ومبغوضین اور تکلیف پہونچانے والے نہ ہوں، تو جہاں امام بخاری کے معتقدین اور مداحوں اور ثناء خوانوں کی بڑی تعداد تھی تو وہاں حاسدین کی بھی بڑی تعداد تھی اور ان حاسدین کی وجہ سے امام صاحب کو بسا اوقات مختلف مرتبہ اذیتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، کئی مرتبہ ان کو جلاوطن کیا گیا، شہر بدر کیا گیا، علماء کرام نے لکھا ہے کہ جب بغداد سے بخارا تشریف لائے تو رضاعت والا مسئلہ پیش آیا، حالانکہ محققین ومولانا عبدالحیؒ لکھنوی اس رائے کی طرف جو امام بخاری کی طرف منسوب کی گئی فرماتے ہیں کہ ایسا جلیل القدر امام جس کے تراجم ابواب کو یہ کہا گیا ہو کہ "فقه البخاری فی

ترجمہ "جس کے تفقہ کی بہترین مثال صحیح بخاری کے اندر موجود ہے تو رضاعت والے فتویٰ پر نہ بھروسہ کرنا چاہئے اور نہ اس کا ذکر کرنا چاہئے یہ امام بخاریؒ کے شایان شان نہیں۔

دوسرا واقعہ : یہ ہے کہ اس زمانہ میں طرح طرح کے فضول مسائل دنیا میں رائج تھے، اور فضول مسائل پر بڑی جنگ وجدال ہوا کرتی تھی، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی بہت سے فضول مسائل مناظرہ، تحریر وتصنیف، اور تقریر کے اوپر لوگ توانائیاں خرچ کرتے ہیں، تو سوال کرنے والوں نے یہ سوال کیا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، اس طرح ایک نے پوچھ لیا کہ ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق تو اس وقت امام بخاری نے جو موقف اختیار کیا وہ بالکل صحیح تھا، لیکن اس کی وجہ سے امام بخاری کو شہر چھوڑنا پڑا۔

تیسرا واقعہ : جو بہت مشہور ہے کہ نیشاپور والوں نے امام بخاری کو اپنے یہاں آنے کی دعوت پیش کی تو امام صاحبؒ ۲۵۰ھ میں ان کی دعوت پر نیشاپور پہونچے جو امام مسلم کی جائے پیدائش بھی ہے، اس وقت وہاں کے ممتاز علماء ومحدثین میں حضرت محمد ابن یحیٰ الذہلی کا شمار ہوتا ہے جن کا حلقہ درس سب سے بڑا تھا، امام بخاری کا جب درس شروع ہو اسارا شہر حلقہ درس میں شامل ہونے کی کوشش میں لگ گیا، ایک آدمی نے سوال کیا "ما تقول فی لفظ القرآن" امام صاحبؒ نے کہا بھئی! چھوڑ و حدیث پڑھو، لیکن وہ بار بار ایک سوال کرتا رہا تو امام بخاری نے اپنا موقف واضح کیا تو اس پر یہ فتنہ پرور جس کا کام ہی فتنہ ہوتا ہے اور ان کو مزا بھی ایسے ہی کاموں میں آتا ہے تو اس نے بہانہ ملتے ہی شور مچا دیا کہ دیکھو! امام بخاری کا جواب حالانکہ سائل نے اس کو بگاڑ کر لوگوں کے سامنے بیان کیا، اور یہ پروپیگنڈا کیا

کہ آپ نے اس طرح کہا ہے، جب یہ بات محمد ابن یحیٰ کو پہونچی تو انہوں نے کہا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق، تو وہ مبتدع ہے، اور ہم ایسے مبتدع کو اپنے شہر میں نہیں رکھیں گے، چناچہ انہوں نے امام بخاریؒ کو نیشاپور سے باہر جانے پر مجبور کر دیا محمد ابن یحیٰؒ ذہلیؒ کے شاگردوں نے امام بخاری پر اعتراض کو تسلیم کیا، اور درس میں جانے سے روک گئے، البتہ دو حضرات جن میں امام مسلم بھی شامل ہیں، انہوں نے محمد ابن یحیٰ کی بات نہیں مانی اور امام بخاریؒ کا ساتھ دیا، ایک سائل نے جب اسی واقعہ کے بارے میں امام صاحب سے پوچھا تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے "لفظی بالقرآن" مخلوق نہیں کہا بلکہ میں نے یہ کہا تھا "افعالنا کلھا مخلوقۃ و الفاظنا من افعالنا" اس جملہ کے استعمال کرنے کی وجہ بعض حنابلہ کی تردید مقصود ہے، اور مسلکِ حق ثابت کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے امام بخاریؒ کو نیشاپور سے نکلنا پڑا۔

ابتلاء کا چوتھا واقعہ : ان کی آخری حیات کا ہے، امام صاحب بخارا ہی واپس لوٹ آئے اس وقت بخارا کا امیر "خالد ذہلی" تھا، اس نے امام صاحبؒ سے کہا کہ میرے بچوں کو میرے گھر پر آ کر حدیث پڑھائیں امام صاحبؒ نے کہا میں اس علم حدیث کو اس طرح ذلیل نہیں کر سکتا کہ سلاطین وامراء کے گھروں پر جا کر اس کو پڑھاؤں، اگر کسی کو پڑھنا ہے تو میرا حلقہ درس کھلا ہوا ہے، اس میں آ جائے شامل ہو جائے، حاکم نے دوسری تجویز پیش کی کہ ایسا کیجئے ہمارے بچوں کیلئے کوئی ایسا وقت مقرر کر دیں جس میں دوسرے طلبا، کو آنے کی اجازت نہ ہو، امام صاحب نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا، پھر جب حاکم کی طرف سے اصرار بڑھا تو امام صاحب نے حاکم سے فرمایا کہ آپ ایک حکم جاری کر دو، عام طلبہ کیلئے حلقہ

درس قائم کرنے سے منع کردیں کہ آپ پر پابندی لگائی جاتی ہے کہ آپ حلقہ درس نہیں لگاسکتے تو پھر میں اللہ کے یہاں معذور ہونگا، اور اپنا حلقہ درس چھوڑ دونگا، لیکن جب تک مجھے عام حلقہ درس قائم کرنے کی اجازت ہے، اس وقت تک میں یہ نہیں کرسکتا کہ کسی کو آنے سے روک دوں، یہ بات حاکم کو ناگوار گزری اور امام صاحب کے خلاف سازشیں شروع کردی، اور ایسی بات جس کو امام صاحب کو بخارا سے نکالنے میں مدد ملے تلاش کرنے لگا، چنانچہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے اختراعات واتہامات اور الزامات کرکے بالآخر امام صاحب کو بخارا سے نکلنے کا حکم دیا، حاکم وقت کو امام صاحب کی بددعاء لگی کہ یہ اتنا ذلیل ہوا کہ اسکے اوپر والے خلیفہ نے اس کو معزول کردیا، اور گدھے پر بیٹھا کر سارے شہر میں گھومایا گیا۔ بہرحال امام صاحب بخارا سے نکلنے پر مجبور ہوگئے، سمرقند کے لوگوں نے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، امام صاحبؒ وہاں جانے کیلئے روانہ ہوئے تو سمرقند والوں میں اختلاف ہوگیا، بعض آپ کے حامی اور بعض مخالف جب امام صاحب کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ سمرقند سے کچھ فاصلہ پر (خرتنگ) نامی ایک بستی میں جس میں آپ کے کچھ عزیز بھی تھے، اور ایک رشتہ دار "غالب ابن تبریز" تھے، یہاں آپ مقیم ہوگئے اور یہاں آپ بیمار ہوگئے، جب صحت بہتر ہونے لگی، اس دوران سمرقند کے لوگوں کا اختلاف ختم ہوچکا تھا، اور سب آپ کے بلانے کیلئے متفق ہوگئے، اور آپ کو بلانے کیلئے پیغام بھیجا، امام صاحبؒ نے سواری منگوائی اور سفر کا لباس بھی پہن لیا، لیکن سواری پر بیٹھنے سے پہلے ہی اللہ کی طرف سے داعی اجل آگیا، اور سمرقند جانے سے پہلے اسی جگہ خرتنگ میں ہی وفات ہوئی، اور اسی جگہ آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے، ایک دوسری روایت میں ہیکہ آپ بخارا سے نکل کر بیکند پہونچے،

وہاں بھی آپکے بارے میں اختلاف ہوا، تو آپ نے سمرقند والوں کی دعوت قبول کرتے ہوئے بیکند سے روانہ ہوئے، اور راستہ میں خرتنگ میں رک گئے، اور آپکی میزبانی غالب ابن جبرائیل نے کی، میزبان کا بیان ہے میں نے امام صاحب کو تہجد کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ ''اللھم انہ قد ضاقت علی الارض فما رحبت فاقبضنی الیک'' اسکے بعد مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ انتقال کر گئے، رمضان کے اخیر میں سمرقند کے متفقہ دعوت پر آپ نے سمرقند کیلئے روانہ ہونے لگے سواری بلوائی دو آدمیوں کے سہارے چند قدم چلے تھے فرمایا مجھے بیٹھاؤ پھر آپ نے کچھ دعا کی اور وہیں خرتنگ میں شب عید الفطر میں وصال فرمایا، عید کے دن ظہر کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا، ''صاحب تہذیب الکمال'' نے لکھا ہے عبد الواحد ابن آدم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ ایک جگہ حضور ﷺ صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ کھڑے ہین میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں، آپ نے فرمایا محمد ابن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہے ہیں، چند دنوں کے بعد امام بخاری کی وفات کی اطلاع پہونچی، تو یہ بعینہ وہی وقت تھا جس وقت میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔

امام بخاریؒ کی کرامت:

جب امام بخاری کو دفن کیا گیا تو قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی لوگ آتے تعجب کرتے، بہت سے مخالفین اس کرامت کو دیکھ کر تائب ہو گئے، یہ خوشبو اتباع سنت اور احیاے سنت کی تھی، رحمۃ اللہ تعالی رحمۃ واسعہ وجزاہ خیر الجزاء (آمین)۔

امام بخاری اور عظمت حدیث:

امام بخاریؒ کا معمول تھا جب بھی کوئی حدیث لکھتے تو پہلے غسل کرتے، دو رکعت نفل پڑھتے، پھر اس حدیث کی تمام سندوں پر غور کرتے جو صحیح سند ہوتی اس کو درج کرتے۔ اب ہر حدیث کے لئے نیا غسل اور دو رکعت نماز میں بھی کہتا ہوں کہ دیکھو امام بخاریؒ کی حدیث کی تعداد بخاریؒ شریف میں ۷۲۷۵ احادیث ہیں، امام بخاریؒ نے تقریباً نقل کی ہے، فقط ان احادیث کے نوافل کو دیکھیں تو ۱۴۴۵۰ نفل نمازیں اسی میں ہو جاتی ہیں، شاید ہم زندگی میں بھی اتنی نفل نمازیں نہیں پڑھتے، جتنی انہوں نے احادیث مبارکہ لکھنے میں نوافل کا اہتمام کیا۔

بخاری شریف کے فضائل:

اس کے برکات کو علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ ایک طویل عرصہ سے بزرگوں کا یہ تجربہ ہے کہ جب "بخاری شریف" کا ختم کیا جاتا ہے، اس کے بعد کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ۱۲۰ مرتبہ بخاری شریف کا ختم کیا، اور اپنی حاجات کے لئے دعا کی کوئی دعا میری رد نہیں ہوئی، بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ بخاری شریف جس کشتی کے اندر رہی اس کشتی کی بھی اللہ نے ڈوبنے سے حفاظت فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان اور کرم اور فضل ہے کہ اس نے ہمیں یہ سعادت عطا فرمائی کہ اس وقت ہم ایک قدیم ادارے میں جو ہمارے بزرگ حضرت مولانا عبدالصمد ایرانی کا قائم کردہ یہ ادارہ ہے، یہ بخاری شریف کے شروع کرنے کی یہ سعادت ہم حاصل کر رہے ہیں، اور ہماری طرف سے اور

حضرت کی طرف سے بھی اور سب حضرات کو اور خصوصاً حضرت مولانا اسعد اللہ ایرانی دامت برکاتہم کو اور طلباء کرام کو مبارک باد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیا کہ ہم بخاری شریف کی ابتداء کرنے جارہے ہیں۔ (فللہ الحمد)

آداب حدیث :

اور یہ بات طے ہے کہ جس جگہ احادیث مبارکہ کی تعلیم ہوتی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب "معارف القرآن" میں سورہ حجرات کی تفسیر کے اندر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارکہ کا ادب بتلایا گیا کہ اپنی آواز کو اونچی مت کرو! آپ ﷺ سے اپنی بات کو مقدم نہ کرو، یہ آداب بتلائے، فرمایا: کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کی مجلسیں جس میں حضور ﷺ کے ارشادات کی تعلیم ہوتی ہو، وہاں اس مجلس کا بھی وہی ادب ہوگا، کہ جیسے حضور ﷺ کی مجلس میں آواز کو بلند کرنا یا کوئی بے ادبی، گستاخی بے احترامی ہے تو جبھی یہ جائز نہیں اور اس پر بہت بڑی وعید ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ان تحبط اعمالکم" کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کے نتیجہ میں تمہارے کئے کرائے سارے اعمال بیکار ہوجائیں، اتنی بڑی وعید ہے تو فرماتے ہیں کہ جیسے حضور ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی مجلس کے آداب تھے، آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی وہ مجالس جس میں حضور کی احادیث بیان کی جاتی ہیں یہ وہیں مجلسیں ہیں، ان کا بھی وہی ادب واحترام ہونا چاہئے جو آپ ﷺ کی زندگی میں تھا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب لاہور تشریف لے گئے، ان کی مجلس میں ڈاکٹر علامہ اقبال پہنچے، جیسے ہی مجلس پر نظر پڑی تو سب سے پہلے انہوں نے

یہی جملہ کہ کہا کہ یہ مجلس تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسی صحابہؓ کی مجلس ہو، ’’کانہ علی رءوسھم الطیر‘‘ ’’صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسا بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہو، ان پر اس مجلس کا اثر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا نمونہ ہے، یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اتنے باادب علماء اور طلباء بیٹھے ہوئے تھے ادب کی بھی ضرورت ہیں، ہمارے طلباء سے خصوصا درخواست ہے کہ حدیث کے درس میں خاص اس کا اہتمام کریں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے ’’آپ بیتی‘‘ میں لکھا ہے، ان کے والد حضرت مولانا یحیی صاحب کا تربیت کرنے کا ایک البیلا انداز تھا، حضرت شیخ کی عجیب وغریب تربیت کی تھی، حضرت مولانا یحیی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس کو (حضرت شیخ زکریا صاحب) کو حدیث کے سبق کے لئے کسی جگہ جانے نہیں دیا ایک تو میں نے اس اپنے ہی پاس اسے حدیث پڑھوائی، اور زیادہ سے زیادہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے پاس، یہ اس لئے کہ حدیث کے درس کی بے ادبی کا یہ نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کی برکت ضائع ہو جائی گی، اور حدیث ضائع ہوگئی تو دین ضائع ہو جائیگا، کیونکہ میرے یہاں ڈنڈے کے زور پر بے ادبی نہیں نہیں کر سکے گا، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے یہاں چونکہ وہ ان کے شیخ ومرشد ہوتے تھے اسلئے ادب کی وجہ سے وہاں بھی بے ادبی نہیں کر پائیگا اس لئے حدیث کے درس میں اپنے پاس بیٹھایا، حضرت شیخ خود فرماتے ہیں کہ الحمد للہ! کوئی حدیث ہماری ایسی نہیں گذری جو والد صاحب کے سامنے نہ پڑھی ہو ایک حدیث بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور کوئی حدیث چھوٹی نہیں ہے، حالانکہ دیر تک حدیث کا سلسلہ جاری رہتا کسی ساتھی کا وضو ٹوٹ گیا تو ہم نے یہ طے کر رکھا تھا کہ کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو ذرا کہنی مار دے، تا کہ وضو کر کے وہ آ جاوے، اس

دوران ہم میں سے کوئی ساتھی یا میں والد صاحبؒ سے اشکال کر دیتا اور اس دوران وہ ساتھی وضو کر کے آجاتا، حدیث چھٹتی بھی نہیں، اور بے وضو پڑھنے کی نوبت بھی نہ آتی، فرمایا کہ ایک مرتبہ اسی طرح میرے ایک ساتھی کا وضو ٹوٹ گیا اس نے مجھے کہنی ماری، اور وضو کرنے چلا گیا تو میں نے کہا کہ حضرت! فلاں نے اس طرح لکھا ہے، تو فرمایا کہ فلاں فلاں کر کے اعتراض مت کر میں جانتا ہوں کہ تمہارا یہ معمول نہ چھٹے مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس طرح آپ لوگوں نے وضو کا اہتمام کیا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے احادیث کی توفیق دی میں نے اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ بھی اس کی پابندی کرتے ہیں، الحمد للہ ہمارے یہاں طلباء اس کا اہتمام کرتے سب تو نہیں لیکن آدھے سے زیادہ جماعت کا یہ اہتمام دیکھا کہ وہ کوئی حدیث بغیر وضو نہیں پڑھتے، اسی طریقے سے آپ حضرات سے بھی درخواست ہے کہ ادب کا بہت اہتمام کریں اساتذہ کا ادب حدیث کا ادب، بغیر وضو کے کتاب کو ہاتھ نہ لگائے، اور خصوصاً حدیث کے سبق میں کوئی ناغہ نہ ہونے پائے۔

حدیث کی غرض و غایت:

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی کہ حدیث پاک کو ہم پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، محنتیں کرتے ہیں آخر اس کا کیا مقصد ہے، مبادیات حدیث تو بہت طویل ہے، وہ مجھے بتلانے نہیں ہیں، مگر حدیث کی کتاب کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس کو ذرا بتلایا جائے تاکہ اس کا مقصد ہمارے سامنے ہو، بعض حضرات نے فرمایا کہ حدیث کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کو سن کر انسان کی زندگی میں دین آجائے اور سنت

کے انوار آجائے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی سنت کے مطابق ہو جائے۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ہمیں یہ ایمان کے نور کی دولت عطا کی اگر اس کی عظمت اگر ان امراء کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ نے ہمارے دلوں میں کیا دولت رکھی ہے تو یہ لوگ تلواروں سے جنگ کر کے اس کو حاصل کرلیں ان کو پتہ نہیں کہ وہ دولت کیا ہے؟ بہرحال حدیث کا ایک مقصد یہ ہے کہ سعادت دارین حاصل ہو جاوے، دوسرا مقصد یہ ہے ان بشارتوں اور دعاؤں کا مصداق بننا جو حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔اور ایک اور مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اتباع اور نقش قدم پر کیسا چلا جائے اس کا طریقہ معلوم ہو اس لئے ہم حدیث پڑھتے ہیں صحابیت کی شان پیدا ہو جائے گو حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے کوئی صحابہ نہیں بنتا لیکن صحابہ کرامؓ جیسی شان پیدا ہو جائے، چنانچہ ہمارے اکابرین دیوبند کے جو حالات پڑھیں اس کے متعلق ایک بہت بڑے بزرگ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا قافلہ جارہا تھا، چند روحیں اللہ نے پیچھے چھوڑ دی، یہ وہی روحیں ہیں جو ہمارے اکابر دیوبند کی شکلوں میں تھی، حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جو ایک جلیل القدر بزرگ گذرے ہے انھوں نے ببول کا ایک درخت لگایا جب وہ ذرا بڑا ہو گیا تو حضرت مدنی کبھی وہاں بیٹھتے تھے، پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھے اور وہاں جانے کا موقع نہیں ہے اس لئے میں یہاں بیٹھتا ہو تا کہ ایک سنت پر عمل ہو جائے، ایک ایک سنت کی ادائیگی کا جو غیر اختیاری غیر واجبی چیز

ہے، جو سنن زوائد میں سے ہے، اس کا بھی بڑا اہتمام کیا تو ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی میں سنن کا اہتمام کریں!۔

تعداد روایات بخاری:

حافظ ابن صلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مکررات کو شمار کر کے صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد (۷۲۷۵) بیان کی ہیں، اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار بچتی ہیں، امام نوویؒ نے تقریب میں اور حافظ ابن کثیر نے اختصار علوم الحدیث میں اس کی اتباع کی ہے حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے ''تحفۃ القاری'' میں لکھا ہے کہ بخاری شریف میں کل حدیثیں بشمول مکررات تعلیقات و متابعات نو ہزار بیاسی ہیں، اور مکررات کو کم کرنے کے بعد یہ تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ رہ جاتی ہیں، اور بخاری میں ۲۲ ثلاثیات ہیں، وہ احادیث ثلاثیات کہلاتی ہیں جن میں امام بخاریؒ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں، ۲۰ ثلاثیات تو حنفی شیوخ سے روایت کی ہیں، جیسا کہ شروع میں بتلا چکا کہ امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۹۴ھ کی ہے اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اس طرح امام بخاریؒ کی کل عمر ۶۲ سال ہوئی کچھ دن اوپر ہیں، گویا تریسٹھواں سال شروع ہو چکا تھا، اسی طرح اللہ تعالی نے فی الجملہ مدت عمر میں بھی نبی کریم ﷺ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بھی ۶۳ سال تھی اور یہ ۶۳ سال میں داخل ہو چکے تھے، اللہ تعالی نے تھوڑے سے عرصہ میں ان سے اتنی عظیم خدمات لیں پھر دنیا سے رخصت ہو گئے، یہ امام بخاری کے مختصر حالات زندگی تھی، اب امام بخاریؒ کے کارناموں میں

سے بڑا کارنامہ یعنی صحیح بخاری کی تالیف ہے، جو آپ حضرات کے سامنے ہے، اور آپ حضرات حدیث پاک کا درس شروع کر رہے ہیں اس میدان میں قدم رکھنے والے کی ابتداء نیت ''تفقہ فی الدین'' ہے اسلامی احکام کو جاننا اس کو سمجھنا اور اسکے ادلہ اجمالیہ یا تفصیلیہ سے واقفیت حاصل کرنا ہے یہ نیت ہوگی تو علم کیلئے ۲۵ سال خرچ کرنا بھی آسان ہے، ورنہ سند تو دو سال میں بھی حاصل کر سکتے ہو، اور غایۃ الغایات وہ ابتغاء وجہ اللہ (خدا کی رضاء کی طلب) ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امام بخاری کے نقش قدم پر چلائے، اور دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نقشِ تاثر

از: ولی اللہ، ولی، قاسمی بستوی، استاذ جامعہ اکل کوا

بر کتابِ عظیم مسمّی ''ضرب کلیم'': افادات: جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی

بہتریں انداز کے حامل ہیں یہ مفتی کلیم		جن کی تقریروں کا مجموعہ ہے یہ ''ضرب کلیم''
ہوتی ہے ان کی خطابت، مجلسوں میں شاندار		طرز املا ہے ان کا شعر خوانی جاندار
نکاح روح کی پاکیزگی کا ذریعہ		سیکڑوں طلاب ان سے ہورہے ہیں باریاب
شارح درسی کتب ہیں اور مفتی ہوشمند		نادرِ علم ہنر کے ہیں یہ اذن ہوشمند
درمیان طالبان علم ہیں ہر دلعزیز		ہے دعا کہ مہربان ان پر رہے رب عزیز
ہے ضلع ان کا اکولہ گاؤں مردم خیز ہے		ان کا سینہ تو شراب علم سے لبریز ہے
مدتوں سے دیتے ہیں راندیر میں درس حدیث		ہوتا ہے مقبول ان کا ہر کوئی درس حدیث
دینی جلسوں میں بہت تقریر فرماتے ہیں یہ		علمی نکتوں کی حسین تعبیر فرماتے ہیں یہ
مشتمل ہے ان کے ہی خطبات پر ''ضرب کلیم''		بے گماں ہے مشتمل شذرات پر ''ضرب کلیم''
اہل ایمان کے لئے تحفہ ہوئی '' ضرب کلیم''		اہل باطل کے لئے ثابت ہوئی '' ضرب کلیم''
ہے ولی کی بس دعا ئے دل یہی رب جلیل		صاحب خطبات پائیں حشر میں اجر جزیل

نوٹ: ''ضرب کلیم'' کا نام بدل کر ''جواہر علمیہ'' رکھا گیا ہے۔

ضروری گذارش

ایک مسلمان کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا،
کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ
اور عرق ریزی کی گئی ہے، تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوا
ہے اس لئے کسی بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے، ہمارے
قارئین سے ادباً گذراش ہے کہ اغلاط پر نشاندہی فرمائے تاکہ
آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے، اور کسی بھی طرح کی
غلطی کو کمپوٹنگ کرنے والے کی طرف سے سمجھی جائے۔

(جزاک اللہ)

از: عبدالقیوم محمد عثمان آورنگ آبادی